الخاتمة

علي

ابنة الهند فى العرب والعجم

تاليفه

مفتيه سيده اسيه برهان شافعيه

مترجم

مولانا رافد ابن نذير برهان شافعي

خاتمه علی ابنة الهند فی العرب و العجم

مصنّفہ : سیدہ آسیہ بنت خالد برہان شافعیہ

مترجم : مولانا سید رافد ابن نذیر برہان شافعی

محققہ : سیدہ الفیہ بنت محمد مصطفیٰ قادریہ حنبلیہ

محشّیہ : عالمہ سیدہ شاذیہ بنت عبد الحامد رحمانی

اقوالِ رجال ونسواں : محمد منیب، محمد عارف، محمد ساجد، ثانیہ عابدہ، محمد عابد، سیدہ مسکان، سیدہ شاذیہ

نصرتِ مسائل : عالمہ الفیہ قادریہ رحمۃُ اللہ علیہا

مقصدِ تألیف

عصرِ حاضر میں ایسے بہت سے علما و عالماتِ کرام گزرے ہیں جن کی علمی عظمت اور فکری خدمات کے باوجود دنیا انھیں اس طرح نہ پہچان سکی جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔ انہی جلیل القدر شخصیات میں ایک نمایاں نام سمیہ بنت خالد برہان کا ہے، جو اکیسویں صدی کی ایک ممتاز عالمہ اور صاحبِ فکر خاتون تھیں۔ تاہم زمانے کے نشیب و فراز، دنیاوی حالات اور فکری تعصّبات کے باعث انھیں عرب خطوں کے علاوہ وہ تعارف اور پذیرائی حاصل نہ ہو سکی جو ان کے علمی مرتبے کے شایانِ شان تھی۔ اس کتاب کی تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کے سامنے اس سوال کا جامع اور مدلل جواب پیش کیا جائے کہ سمیہ کون تھیں؟ ان کا تعلق کس خانوادے سے تھا؟ انھوں نے علم کے مدارج کیسے طے کیے؟ اور کن علمی و فکری مراحل سے گزر کر وہ ایک باوقار اور مستند عالمہ کے مقام تک پہنچیں۔ سب سے افسوس ناک اور تشویشناک امر یہ ہے کہ عجم ہی نہیں بلکہ بعض اوقات ان کے اپنے خاندان میں بھی لوگ ان کی شخصیت اور وجود سے پوری طرح آگاہ نہیں، اور اگر کسی حد تک واقف بھی ہیں تو اس یقین کے ساتھ نہیں کہ سمیہ محض ایک نام نہیں بلکہ ایک حقیقی، زندہ اور معتبر علمی شخصیت تھیں۔ اس نہایت اہم پہلو پر اس کتاب میں مفصل اور تحقیقی گفتگو کی جائے گی۔ اس کتاب کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ ذاتِ سمیہ کو دلائل و شواہد کے ساتھ عوام الناس کے سامنے پیش کیا جائے اور ان کے علمی مقام و مرتبے کو واضح کیا جائے۔ افسوس کہ عرب دنیا کے بعض کم فہم علما، جو فرقۂ وہابیت یا دیوبندیت سے وابستہ ہیں، نے اپنی بعض تقریروں میں سیدہ سمیہ کے بارے میں نہایت سنگین، ناروا اور بے بنیاد الزامات

عائد کیے، حتیٰ کہ معاذ اللہ انھیں بدکردار اور گمراہ قرار دیا گیا۔ سیدہ سمیہ پر لگائے گیے بہتانوں کی حقیقت کو آشکار کیا جائے گا، اور ان کے حالاتِ زندگی، علمی خدمات اور ذاتی سیرت کے وہ واقعات بیان کیے جائیں گے جن سے سمیہ بنت خالد برہان کی شخصیت، کردار اور علمی عظمت خود بخود نمایاں ہو کر سامنے آجائے گی۔ یہ کتاب دراصل ایک مظلوم علمی شخصیت کے دفاع، تعارف اور اس کے حقیقی مقام کے احیاء کی ایک سنجیدہ اور خالص علمی کاوش ہے۔

یہ کتاب سمیہ بنت خالد برہان کی زندگی سے وابستہ تمام اہم افراد کا ذکر دیانت اور ذمہ داری کے ساتھ پیش کرتی ہے، کیوں کہ ان کی حیات کسی ایک شخص تک محدود نہیں تھی بلکہ متعدد نفوس نے ان کے علمی، فکری اور اخلاقی سفر میں کردار ادا کیا۔ تصنیف میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ کم الفاظ میں زیادہ مفہوم ادا ہو اور قاری پر بوجھ نہ پڑے۔ اس کا بنیادی مقصد سمیہ بنت خالد برہان کے بارے میں پھیلائے گیے بے بنیاد الزامات کا علمی اور منصفانہ رد پیش کرنا اور یہ واضح کرنا ہے کہ وہ ایک پاکیزہ، باوقار اور معتبر علمی شخصیت تھیں۔ یہ کتاب جذبات کے بجائے تحقیق اور انصاف پر مبنی ایک سنجیدہ علمی کاوش ہے۔

مفتیہ آسیہ بنت خالد برہان رفاعیہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ کریم

تنبیہِ ضروریہ

اس کتاب میں ایسے متعدد واقعات کا بیان ہے جو طویل عرصے تک دوسروں کی زبانی غلط طور پر نقل ہوتے رہے۔ مصنّفہ نے ان تمام واقعات کو نہایت ربط، تسلسل اور تحقیق کے ساتھ قلم بند کیا ہے، اور ہر مقام پر اصل قصے کو اس کے صحیح مفہوم اور درست مدلول کے ساتھ واضح کیا ہے۔ قاری کو چاہیے کہ مطالعے کے دوران حواشی اور تراجم پر خصوصی توجہ دے اور یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ اصل حقیقت کیا تھی اور مصنّفہ کس نکتے کی طرف رہنمائی کرنا چاہتی ہے۔ تاریخِ تصنیف میں ایسی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن میں منقول اقوال کا مفہوم اصل کے برعکس پیش کیا گیا؛ زیرِ نظر کتاب بھی اسی نوع کی ایک سنجیدہ علمی تصحیح ہے۔ میرے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہ کتاب گہری غور وفکر کی متقاضی ہے۔ اگر کوئی شخص اسے بے خبری یا سرسری نظر سے پڑھے تو بعید نہیں کہ اس کے کئی اہم پہلو اس پر منکشف نہ ہو سکیں، کیوں کہ اس کی تحریر نہایت دقیق ہے اور اس میں ایسے علمی اقوال نقل کیے گیے ہیں جو شاذ ونادر ہی اہلِ علم کے علم میں رہے ہیں۔ اس کتاب میں سمیہ سے تعلق رکھنے والے افراد ہی نہیں بلکہ تعلق بہ تعلق شخصیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، تاکہ قاری کے فہم میں پختگی پیدا ہو اور اس کے علمی شعور میں اضافہ ہو۔

از عالمہ سیدہ شاذیہ رحمانی حفظھا اللہ

سوانح اسم ونسب

الشّیخۃ السّیدۃ، العالمۃ، العلمیّۃ سمیہ بنت محمد خالد برہان الشافعیہ ایک معزز، علمی اور شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی شخصیت اور علمی مقام ایسا تھا کہ ان کا ذکر زمان و مکان کی حدود سے بلند سمجھا جاتا ہے، اور ان کا نام وفات کے بعد بھی اہلِ علم کے درمیان محفوظ رہا۔ سمیہ کا نسبِ شریف شیخ سید برہان احمد الشافعی رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہے، جو ان کے علمی و خاندانی شرف کی دلیل ہے۔

سبتُ النسب الآبوی: سیدہ سمیہ بنت سید خالد ابن سید عبد الرؤف ابن سید عبد المالک ابن سید حسن ابن سید منیب ابن سید برہان ابن سید عبد الرحمٰن ابن سید محمد رحمہم اللہ تعالیٰ۔

النسب الآموی: سمیہ بنت سیدہ نسرین بنت سید زاہد ابن سید عبد المصطفیٰ ابن سید احمد ابن سید احمد ابن سید رحمۃ اللہ ابن سید عبد الرحمٰن ابن سید محمد رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یوں سیدہ سمیہ کا نسب پدری جانب سے سید برہان تک اور مادری جانب سے سید رحمۃ اللہ تک پہنچتا ہے، جو باہم سگے بھائی تھے۔ اس بنا پر سمیہ کو پدری اور مادری دونوں جانب سے سادات میں سے ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مزید یہ کہ دونوں طرف سے ان کا سلسلۂ نسب شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، اور وہاں سے نسب کا سلسلہ سیدنا امام المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک متصل ہے۔ خاندانِ برہان میں اس نوعیت کا دوطرفہ نسب سیدہ سمیہ کے ساتھ نمایاں طور پر معروف ہے۔

نقوشِ ولادت وآغازِ زندگی:

سیدہ سمیہ کی ولادت ۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ، مطابق ۱۲، اپریل ۲۰۰۷ء کو شہرِ تھانہ کے

علاقے رابوڑی میں ہوئی۔ ان کی ولادت سے ایک روز قبل ان کے چچازاد بھائی رافد ابن نذیر برہان کی پیدائش ہوئی تھی، اور ایک سال بعد ان کی سگی بہن سیدہ آسیہ برہان دنیا میں آئیں۔ یہ خاندان علمی و اخلاقی اعتبار سے معروف تھا، اور ابتدائی عمر ہی سے اس ماحول کے اثرات سمیہ کی تربیت اور شخصیت میں محسوس کیے جاتے ہیں۔

والدہ اور ابتدائی پرورش:

سیدہ کی والدہ نسرین بنت زاہد حافظۂ قرآن مجید تھیں، جن کی زیرِ سرپرستی سمیہ اور ان کی بہن کی پرورش ہوئی۔ والدہ کی والدہ، زاہدہ بنت کابر، کی دعا تھی کہ ان کے بطن سے پیدا ہونے والی نسل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کی خدمت کرنے والی، حسنِ عمل کی محافظ، اور لوگوں کے درمیان علم و عزت کی حامل ہو۔ ذہانت و علمی شرف نسرین ام سمیہ و آسیہ نے بچپن ہی سے ذہانت، فراست اور علمی قابلیت کے اعلیٰ مظاہر دکھائے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے، جب ان کی عمر تقریباً سات سال تھی، انھیں حافظۂ قرآن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ابتدائی تربیت اور والدہ کے زیرِ سرپرستی علمی ماحول سمیہ کی شخصیت، علمی قابلیت اور اخلاقی شرافت کی بنیاد ثابت ہوا، جو بعد میں ان کی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں نظر آئی۔

سیدہ سمیہ کی والدہ نے انھیں علمِ دین سے منور کرنے کے لیے دارالعلوم عالیہ برکاتیہ میں داخل کروایا۔ تاہم، سمیہ نے وہاں صرف نصف سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد رسمی تعلیم سے کنارہ کشی اختیار کی اور اپنی توجہ حفظِ قرآن پاک پر مرکوز کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جب ان کا حفظِ قرآن مکمل ہو گیا، تو انھوں نے کنز الایمان سے ترجمہ اور تفسیر ابن کثیر سے تفسیر کا مطالعہ شروع کیا۔

سمیہ نے بلا استاد علم حاصل کرنا شروع کیا اور ماہرینِ تفسیر کے امتحانات میں اول درجہ حاصل کر کے اپنی علمی قابلیت کا ثبوت دیا۔

سیدہ نسرین کی زندگی ابتدا میں سادہ اور معمولی تھی۔ جب وہ تقریباً تیرہ سال کی عمر کو پہنچی، تو ان کا رشتہ عبد الرؤف کے بڑے صاحبزادے خالد برہان کے ساتھ طے پایا۔ اس وقت خالد کی عمر پندرہ برس تھی اور ان کے پاس کوئی مستقل ذریعۂ معاش موجود نہ تھا، مگر ربّ العالمین پر کامل اعتماد اور توکّل کے ساتھ عقدِ نکاح کی ذمہ داری قبول کر لی گئی۔ نکاح کے دو برس بعد سیدہ نسرین کے بطن سے سیدہ سمیہ رحمہا اللہ کی آمد کی نوید ملی۔ اس عرصے میں امِ سیدہ نہایت اہتمام اور کثرت کے ساتھ سورۂ نور اور سورۂ رحمٰن کی تلاوت کرتی رہیں۔ اگرچہ عام طور پر ولادت کی مدت نو ماہ ہوتی ہے، تاہم بعض حالات میں یہ مدت دو، چار یا چھ ماہ تک بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جب مقررہ وقت کے بعد سیدہ سمیہ کی ولادت ہوئی تو نسرین نے خود بیان کیا کہ جب سمیہ کو میرے ہاتھوں میں دیا گیا تو دل پر ایک غیر معمولی جلال اور ہیبت طاری ہو گئی، گویا کوئی عظیم اور مقدس امانت میرے سپرد کر دی گئی ہو۔ اس وقت میں اس کیفیت کی حقیقت کو پوری طرح نہ سمجھ سکی، مگر دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ بچی کسی خاص شان اور مقصد کے ساتھ دنیا میں آئی ہے۔

سمیہ کی ولادت کے موقع پر خالد برہان کے دل میں ایک طرف مسرت کی لہر تھی اور دوسری طرف فکر و اضطراب کی کیفیت۔ وہ اس اندیشے میں مبتلا تھے کہ اس ننھی کلی کی پرورش کس طرح ممکن ہو گی۔ اس وقت خالد کی عمر صرف سترہ برس تھی اور وہ مالی اعتبار سے خاصے تنگ دست تھے۔ ایسے نازک حالات میں سیدہ نسرین کا تقویٰ، صبر اور پرہیزگاری خالد کے لیے ڈھارس اور سہارا بنی۔ ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں دوسری بیٹی، سیدہ آسیہ برہان سے نوازا۔ یوں میاں بیوی نے

صبر و استقامت کے ساتھ اپنی دونوں بیٹیوں کی پرورش کا سفر جاری رکھا۔ سیدہ نسرین نے بچیوں کی تربیت کا آغاز پیدائش ہی سے کر دیا تھا۔ جب سمیہ پانچ برس کی ہوئیں تو انھیں قرآنِ مجید کا قاعدہ پڑھانا شروع کیا اور ساتھ ہی اسکول میں بھی داخلہ دلوایا۔ محض دو برس کے قلیل عرصے میں انھوں نے قاعدہ مکمل کر لیا، اور سات برس کی عمر میں حافظۂ قرآن ہونے کا شرف حاصل کیا۔ حیرت انگیز طور پر انھوں نے صرف تیرہ دنوں میں حفظِ قرآن مکمل کر لیا، جب کہ اس وقت آسیہ ابھی قاعدے کی تعلیم میں مصروف تھیں۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سمیہ کی ولادت سے ایک دن قبل ان کے چچا زاد بھائی رافد ابن نذیر کی پیدائش ہوئی، جو رشتے میں سمیہ اور آسیہ کے قریبی عزیز تھے۔ خالد کے والد، عبد الرؤف، اگرچہ نہایت مالدار تھے، مگر انھوں نے اپنے بیٹے کو مالی سہارا نہ دیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ خالد خود محنت کرے اور اپنے بل پر آگے بڑھے۔ البتہ انھوں نے اپنی پوتیوں کی تعلیم کے تمام اخراجات خود برداشت کیے اور دیگر ذمہ داریاں خالد کے سپرد رہنے دیں۔ سیدتان کی کامیابی، تربیت اور علمی رفعت میں ان کے جدِ امجد سید عبد الرؤف برہان کی اصول پسندی، دور اندیشی اور تربیتی حکمت نمایاں طور پر جھلکتی ہے۔

انتخابِ رافد از جانبِ نسرین:

اس کی بنیاد یوں پڑی کہ سیدہ سمیہ جس اسکول میں تعلیم حاصل کرتی تھیں، اسی ادارے میں رافد بھی زیرِ تعلیم تھا۔ تاہم سیدہ نسرین کی رافد سے ملاقاتیں نہایت محدود رہیں۔ روایات کے مطابق ان ملاقاتوں کی تعداد تیرہ یا چودہ سے زیادہ نہ تھی۔ جب پہلی مرتبہ نسرین نے سمیہ کے وصیلے سے رافد سے ملاقات کی تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ خاندان ہی کا فرد ہے۔ روایت ہے کہ جب نسرین پہلی بار ابنِ نذیر سے ملیں تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا: ”(تو ہی ہوگا) “بروایتِ خالد برہان”۔

اس وقت سمیہ اور رافد ایک دوسرے سے باقاعدہ طور پر واقف نہ تھے، لیکن جب بھی ملاقات ہوتی، نسرین سمیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتیں: ''یہ میرا بچہ ہے''۔ اسی آخری تعلیمی سال کے بعد خالد نے سمیہ کو اسکول سے نکال لیا اور اس کی تعلیم کا رخ دینی علوم، خصوصاً عالمہ بننے کی طرف موڑ دیا۔ مگر اس فیصلے کے تقریباً آٹھ ماہ بعد سیدہ نسرین شدید علیل ہوگئیں۔ بیماری اس قدر بڑھ گئی کہ وہ حالتِ نزع کے قریب پہنچ گئیں۔ اس نازک لمحے میں انھوں نے اپنے شوہر اور دونوں بیٹیوں کو اپنے پاس بٹھایا اور نہایت اہم نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں۔ انھوں نے خالد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''میری بیٹی سمیہ کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں نہ دینا، سوائے رافد کے''۔ اور جب کبھی اس سے ملاقات ہو تو اسے کہنا کہ تجھے وہ چاچی بہت یاد کرتی تھی جو اپنی بیٹیوں سے بڑھ کر تجھ سے محبت کرتی تھی۔'' پھر سمیہ سے فرمایا'': بیٹی! اگر وہ (رافد) تمھیں مل جائے تو اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا، علم کو پوری پختگی کے ساتھ حاصل کرنا اور امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا۔'' اور آسیہ سے یوں فرمایا:'' بیٹا! کبھی یہ خیال نہ کرنا کہ تمھارا کوئی بھائی نہیں۔ رافد تمھیں سگی بہن سے بڑھ کر چاہے گا''۔ یہ وصیتیں ادا کرنے کے بعد سیدہ نسرین خاموش ہوگئیں اور کچھ ہی دیر میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حیات و جد و جہدِ خالد ابنِ عبد الرؤوف:

ابو آسیہ، خالد برہان کا بچپن نہایت کٹھن حالات اور محرومیوں میں گزرا۔ اگرچہ ان کے والد ایک نہایت نیک، صالح اور دیندار انسان تھے، تاہم انھوں نے اپنے بڑے صاحبزادے خالد کی تربیت سختی اور ضبط کے ساتھ کی، تاکہ وہ کم عمری ہی سے محنت، خود اعتمادی اور استقلال کا خوگر بن جائے۔ خالد کے ابتدائی حالاتِ زندگی تفصیل سے محفوظ نہیں، البتہ یہ بات مسلم ہے کہ جب ان کی عمر

پندرہ برس ہوئی تو ان کا نکاح نسرین بنت زاہد سے طے پایا، جس کا ذکر سابقہ صفحات میں آچکا ہے۔ اہلیہ کے انتقال کے بعد دونوں بیٹیوں کی تمام ذمہ داریاں خالد کے کندھوں پر آن پڑیں، لیکن انھوں نے تربیت و پرورش میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے دی۔ انھوں نے اپنی بڑی بیٹی کو ہندوستان سے مملکتِ سعودی عرب روانہ کیا تاکہ وہ وہاں علمِ دین اور صالح تربیت حاصل کریں۔ اگرچہ انھیں اس امر کا اندیشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں وہاں کے بعض مدارس میں عقیدے کے حوالے سے کوئی اختلاف پیدا نہ ہو، تاہم انھوں نے اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا۔ اس دوران آسیہ کو اپنے پاس رکھا، مگر اس کی دیکھ بھال کے لیے کوئی مستقل سہارا موجود نہ تھا۔ خالد نے اپنی ذاتی زندگی اور آرام کو بالکل نظرانداز کرتے ہوئے دوسری شادی نہ کی اور تمام تر توجہ اپنی بیٹیوں کی کفالت اور خود کو معاشی طور پر مضبوط بنانے پر مرکوز رکھی۔ انتہائی محنت، جدوجہد اور استقامت کے نتیجے میں انھوں نے صندل کی تجارت سے اپنا کاروبار شروع کیا، پھر بتدریج لکڑیوں کی تجارت میں قدم رکھا۔ محض تین سال اور سات ماہ کے مختصر عرصے میں انھوں نے اس کاروبار کو منافع بخش بنالیا اور اس طرح اپنی اور اپنی بیٹیوں کی زندگی کو سہل اور باوقار بنادیا۔ اسی دوران سمیہ کے اصرار پر آسیہ کو بھی اس کے پاس روانہ کردیا گیا اور اسے بھی علمِ دین کی راہ پر ڈال دیا گیا۔ خالد نے اپنی زندگی میں خاصی دولت کمائی اور نہایت تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں۔ حتیٰ کہ ۲۰۱۹ء میں جب کورونا جیسی عالمی وبا نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اسی زمانے میں ان کا کاروبار عروج پر پہنچ گیا۔ انھیں ایام میں سمیہ کی ایک قریبی سہیلی نے اسے اطلاع دی کہ رافد ایک باصلاحیت اسپورٹس پلیئر ہے، جو بطور لیڈر اور کوفاؤنڈر مختلف مقابلوں میں شریک ہو رہا ہے۔ سمیہ کے وصیلے سے خالد اور رافد کے درمیان گفتگو کا آغاز ہوا۔ سیدہ نسرین کی وصیت کو پیشِ

نظر رکھتے ہوئے خالد نے رافد سے کہا: تمھاری چاچی نسرین تمھیں بہت یاد کرتی تھی۔' اس جملے سے دونوں کے درمیان مکالمے کا سلسلہ قائم ہوا، اگرچہ بالمشافہ ملاقات ممکن نہ ہو سکی۔ نسرین کی طرح خالد بھی رافد کو سمیہ اور آسیہ پر ترجیح دیتے اور اس سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے۔ جب خالد ہندوستان آئے اور دہلی میں ایک تجارتی ملاقات کے سلسلے میں مقیم تھے، اسی دوران ان کے انتقال کی خبر موصول ہوئی۔ خالد کی دولت کے بارے میں مختلف روایات منقول ہیں؛ روایتِ سمیہ کے مطابق ان کی مجموعی دولت کا ستتر فیصد حصہ رافد کو ملا، جبکہ روایتِ الفیہ کے مطابق اسی فیصد حصہ سمیہ کے حصے میں آیا اور باقی بیس فیصد آسیہ کے نام رہا۔

راہِ تحصیلِ علم

سمیہ ک رحمۃ اللہ علیھا کا تعلیمی سفر ایک نہایت معتبر اور مثالی واقعہ ہے۔ یہ سلسلہ آٹھ سال کی عمر میں شہر تھانہ سے آغاز پایا اور بعد ازاں مملکت سعودی عرب میں جاری رہا۔ درسگاہ کے ابتدائی روز، جہاں اکثریت طالبات کی عمر پندرہ سے سترہ سال کے درمیان تھی، سمیہ ایک نابالغ آٹھ سالہ بچی کے طور پر ممتاز نظر آئی۔ تاہم علم میں ان کی پختگی ایسی تھی کہ معلمہ کی دی ہوئی تعلیم وہ مکمل جلسے میں بغیر کوتاہی کے پیش کر دیتی تھیں۔ صرف ایک سال کے قلیل عرصے میں سمیہ نے عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر تین زبانوں پر کامل مہارت حاصل کر لی۔ ان کے اساتذہ میں سے ایک، مفتی شیخ عبدالسمیع، فرماتے ہیں" یہ بچی علمی میدان میں نمایاں ترقی کرے گی۔ یوں، صرف دس سال اور تین ماہ کی عمر میں انھوں نے عالمیت کا جامعہ کورس مکمل کر لیا۔ علما و اساتذہ کا موقف تھا کہ یہ لڑکی علمی و فکری لحاظ سے غیر معمولی قابلیت کی حامل ہے اور مستقبل میں ایک ممتاز عالمہ کے طور پر اپنی پہچان قائم کرے گی۔

مشعل دارانِ درس وتربیت

سمیہ رحمۃ اللہ علیہا کے اساتذہ ومعلمات کی فہرست طویل نہیں، اس لیے کہ انھیں تعلیم دینے والے اہلِ علم محدود تھے۔ تاہم اسی محدود دائرے میں چند ایسے نام آتے ہیں جنھوں نے ان کی علمی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ سارہ بنت خاب کے زیرِ سایہ سمیہ نے حروف اور تفسیر کی بنیادیں مضبوط کیں۔ اسیرہ بنت جابر سے انھوں نے اخلاق و کردار کی لطیف باریکیوں کو سیکھا۔ امینہ بنت جارہ کے پاس انھوں نے فارسی اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کی، جب کہ محمد ابن احمد ابن ساحل سے فقہ شافعی اور فقہ حنفی کی اصولی تعلیم پائی۔ تاہم سمیہ رحمۃ اللہ علیہا کی علمی رفعت اور فکری بلندی کا اصل سرچشمہ اسما بنت عبداللہ رہو حنبلیہ رحمۃ اللہ علیہا کی ذات ہے۔ ان کے زیرِ تعلیم سمیہ نے محض آٹھ ماہ کے قلیل عرصے میں علم وفضل کے ایسے مدارج طے کیے جو عام حالات میں برسوں کی محنت سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ تھا جس نے سمیہ کی علمی شخصیت کو ایک واضح پہچان عطا کی اور ان کے فہم وادراک کو استحکام بخشا۔

اسما بنت عبداللہ رہو رحمۃ اللہ علیہا

اسما بنت عبداللہ رہو، سمیہ رحمۃ اللہ علیہا کی پھوپھی زاد ہمشیرہ تھیں۔ اگرچہ ان کے مابین قرابتِ نسب موجود تھی، تاہم طویل عرصے تک ان کی بالمشافہ ملاقات ممکن نہ ہو سکی۔ قدرت نے انھیں سب سے پہلے رشتۂ علم کے مضبوط بندھن میں منسلک کیا، جو ہر قرابت سے زیادہ مستحکم اور معتبر ثابت ہوا۔ اسما ہو اپنی تصنیف 'اکبار'' میں تحریر کرتی ہیں کہ جب انھیں یہ خبر پہنچی کہ سمیہ برہان نے سرزمینِ عرب میں مختصر مدت، یعنی قریب تین برس کے اندر، علمی مدارج کی متعدد منازل طے کر لی ہیں، تو

انھوں نے اس غیر معمولی طالبۂ علم کے حالات جاننے کی کوشش کی۔ تحقیق کے نتیجے میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ سمیہ کا تعلق ہندوستان کے شہر ممبئی سے ہے، اور خانوادۂ برہان دراصل اسما کے ماموں کا خاندان ہے۔ عمر کے لحاظ سے اسما، سمیہ سے تین برس بڑی تھیں۔ اسما کے والد عبداللہ تاحال بقیدِ حیات ہیں، جب کہ ان کی والدہ اسما کی پیدائش کے چھ برس بعد وفات پا گئیں۔ اسما ہو کی ولادت شہر تھانہ میں ہوئی، مگر پیدائش کے محض چھ ماہ بعد ہی ان کے والد عبداللہ بن عبدالکریم نے ممبئی چھوڑ کر سعودیہ میں سکونت اختیار کرلی۔ ابتدائی عمر ہی سے اسما کے مزاج میں علم سے شغف اور حصولِ تعلیم کا ذوق نمایاں تھا۔ پانچ برس بعد ان کی والدہ نے ایک فرزند کو جنم دیا، جس کا نام عبدالنبی رکھا گیا، مگر وہ صرف انیس دن کی عمر میں وفات پا گیا۔ اس دل خراش سانحے کے باوجود اسما نے صبر و ثبات کا دامن نہ چھوڑا اور نہایت محنت، یکسوئی اور استقلال کے ساتھ علم کی راہ پر گامزن رہیں، یہاں تک کہ وہ عالمہ سے علمی کے بلند منصب پر فائز ہوگئیں۔ جس سال اسما رہو بحیثیت معلمہ مدرسہ میں منصبِ تدریس پر فائز ہوئیں، اسی سال سمیہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے سفرِ تحصیلِ علم کا آغاز کیا۔ اس تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ علمی معراج پر پہنچنا اور علم کی ابتدائی منازل طے کرنا دو بالکل مختلف مرحلے ہیں۔ اسما ہو نے اہلِ سنت و جماعت کی خدمت کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر رکھی تھی۔ ان کا ہر قول، ہر عمل اور ہر طرزِ فکر سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اسوۂ مبارکہ کی ترجمانی کرتا تھا۔ درسِ نظامی کے بے شمار طلبہ و طالبات ان کے زیرِ تربیت تعلیم حاصل کر کے علمی وقار اور فکری پختگی کے اعلیٰ مقام تک پہنچے۔ تاہم ان تمام شاگردوں میں سب سے درخشاں نام سمیہ رحمۃ اللہ علیہا کا تھا، جنھوں نے اسما بنت عبداللہ رہو کے دریائے علم سے بھرپور فیضان حاصل کیا۔ اسما کے شاگردوں میں ایک نمایاں شخصیت وہ بھی تھیں جو علمی میدان میں سمیہ کی ہم پلہ ثابت ہوئیں، اور جنھیں

دونوں اکابر سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، وہ تھیں سیدہ الفیہ بنت مصطفیٰ۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسما کی شاگردہ ہونے کے باوجود سمیہ سے بھی شرفِ تلمذ کیوں حاصل کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسما کے علم کو ایک بلند مقام تصور کیا جائے، تو عام حالات میں سمیہ کو اس مرتبے تک پہنچنے میں تیس برس لگتے، مگر اسما کی تربیت کے زیرِ اثر سمیہ نے جو علمی و فکری خدمات انجام دیں، وہ کسی عام عالم یا عالمہ کے لیے نہایت مشکل بلکہ قریب بہ محال ہیں۔ یہی وہ امتیاز ہے جو سمیہ رحمۃ اللہ علیہا کو محض ایک طالبہ نہیں بلکہ ایک غیر معمولی علمی شخصیت کے طور پر متعارف کراتا ہے۔

نسبِ اسما: اسما بنت عبداللہ بن عبدالکریم بن عباس بن عابد بن یاسر بن داؤد بن حافظ بن سید محمد رحمۃ اللہ علیہم، اور ماں کی طرف سے اسما بنت عرشیہ بنت عبدالرؤوف بن عبدالمالک بن سید حسن بن سید منیب بن سید برہان بن عبدالرحمن بن سید محمد رحمۃ اللہ علیہم۔ اس طرح اسما کا نسب پدری و مادری دونوں جانب سے سید محمد تک جاتا ہے اور یوں یہ سمیہ اور رافد سے متحد ہوتا ہے۔

اعزازِ جانشینی

اسما بنت عبداللہ رہو کی جانشینی کے منصب کے لیے ابتدا میں چار ممتاز نام زیرِ غور آئے: الیہ بنت ساجد رشید، ناصرہ بنت احمد، محمودہ بنت سحر، اور سمیہ بنت خالد۔ طویل غور وخوض اور کامل اطمینان کے بعد اسما بنت عبداللہ رہو نے سمیہ بنت خالد کو اپنی جانشین مقرر فرمایا، اور یوں اس عظیم ذمہ داری کا بار انہی کے سپرد ہوا۔

صفِ تلامذۂ اسما رہو

اسما بنت عبداللہ رہو کی محافلِ تدریس و تربیت سے دو سو پینتیس سے زائد تلامذۂ کرام نے فیضِ علم

وحکمت حاصل کیا۔ ان کے حلقۂ تلمذ میں کئی نامور اور ممتاز شاگردانِ علم و فضل پیدا ہوئے، جن میں سیدہ الفیہ قادریہ، خیرالنساء ناصرہ، عالیہ بنت محسن، سمیہ بنت خالد برہان شافعیہ، عابدہ بنت ثامن، جود بنت فلاح، لیان بنت خالد، اریج بنت فہد، اور سجی بنت عثمان قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تلامذہ محض اسما رہو کی تربیتی محافل کے ثمرات ہی نہیں، بلکہ علم، اخلاق اور تقویٰ کے میدان میں بھی نمایاں مقام کے حامل تھے۔ ہر شاگرد اپنے استاد کی بصیرت، معرفت اور رہنمائی کا زندہ مظہر تھا، اور ان کی علمی و تربیتی خدمات آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ رہنے کے لائق ہیں۔ یہاں محض چند ممتاز شاگردان کا اجمالی تذکرہ مقصود ہے، جو اسما رہو کی علمی میراث اور تربیتی اثرات کو جاوداں بناتے ہیں۔ مذکورہ افراد میں بعض کی سوانح اور مناقب محفوظ و معروف ہیں، جب کہ دیگر کے حالات جزوی یا نامکمل ہیں، جنھیں آئندہ تصنیف و تحقیق کے ذریعے واضح کیا جا رہا ہے تاکہ ان کی علمی خدمات بھی پوری طرح نمایاں ہو سکیں۔

شہیدہ سیدہ الفیہ قادریہ رحمۃ اللہ علیہا

ان کا پورا نام سیدہ الفیہ بنت سید مصطفیٰ حسینی قادری تھا۔ ان کا نسب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے متصل ہے، جو ان کی شرافتِ نسب اور جلالتِ خاندان کا روشن آئینہ ہے۔ فقہ میں وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مقتدی تھیں، اور ان کے والد حضرت سید مصطفیٰ حسینی قادری، حضرت مفتی اختر رضا خان تاج الشریعہ رحمہ اللہ کے مرید و تابع تھے۔ انھوں نے دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی علوم و معارف میں بھی بے مثال محنت و اجتہاد کیا، یہاں تک کہ محض پندرہ برس کی کم سنی میں منصبِ عالمیت پر فائز ہو کر علمی دنیا میں اپنی مستقل شناخت قائم کر لی۔ علم کے میدان میں ان کی تلمذ و فیض کی محافل نہایت باوقار اور منور تھیں: تین سال تک اسما بنت عبداللہ رہو رحمہا اللہ سے اور چھ ماہ تک سمیہ

بنت خالد برہان علیھا رحمۃ کے فیضِ علم حاصل کیا۔(سیدہ الفیہ قادریہ کا انتقال ہو چکا ہے، تاہم ان کی علمی خدمات، تدریس اور شاگردان پر اثرات آج بھی چراغِ ہدایت کی مانند روشن ہیں۔ ان کی شخصیت محض علم وفضل ہی میں ممتاز نہ تھی بلکہ اخلاق وتقویٰ، زہدو پارسائی اور تزکیۂ نفس میں بھی ایک منفرد مقام رکھتی تھی۔ ان کے تلامذہ آج بھی ان کی علمی میراث کو آگے بڑھاتے ہوئے نورِ علم و تربیت کو عام کر رہے ہیں، اور یہی ان کی حیاتِ علمی کا جاوداں اثر اور باقی رہ جانے والا وصال ہے۔) از: عالمہ شاذیہ رحمانی

سجی بنت عثمان

ان کا نام سجی اور ان کے والد کا نام عثمان ہے۔ سجی مذہباً شافعی ہیں اور ان کی ولادت مملکتِ سعودیہ عربیہ کے شہر جدہ میں ہوئی۔ ابتدائے طفولیت ہی سے سجی میں فہم وفراست اور علمی استعداد کی نمایاں علامات ظاہر تھیں، تاہم علمی ارتقا اور معرفت کے حصول کے لیے انھیں ایک مرشد ومربی عالمہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ جب وہ اٹھارہ بہارِ عمر کو پہنچیں تو انھوں نے اسما بنت عبداللہ رہو رحمھا اللہ کے در سے شرفِ تلمذ و استفادہ حاصل کیا اور بے پناہ اجتہاد و مواظبت کے ساتھ علومِ شرعیہ وفقہیہ کی دقائق ودقائق پر مہارت حاصل کی۔ تین سالہ اجتہادی جدو جہد کے بعد سجی کو حدیثِ نبوی ﷺ کی معتبر سند سے ممتاز کیا گیا، جو ان کی علمی رفعت، اجتہادی قابلیت اور فہمِ بلیغ کا روشن مظہر ہے۔ سجی بنت عثمان کا علمی مرتبہ نہایت رفیع ومتعالی ہے۔ ان کی تصنیف "الروم" میں انھوں نے نجدیت کے افکار وعقائد کا تفصیلی، محکم اور مستند رد پیش کیا اور اسے قوی دلائل اور روشن استدلال سے مزین فرمایا۔ مطالعہ کرنے والے علمائے کرام نے اعتراف کیا ہے کہ ان کی علمی بصیرت، قوتِ استدلال اور فصاحت و بلاغت بے نظیر معیار کی حامل ہے۔ یہ علمی خدمات انھیں اہلِ علم و

فضیلت کے درمیان نمونۂ اعلا اور مشعلِ راہِ معرفت بناتی ہیں، اور ان کی شخصیت آج بھی طالبانِ علم کے لیے چراغِ ہدایت و نورِ رہنمائی کی مانند تابناک ہے۔ سجی بنت عثمان، اسما رہو کی ممتاز اور منتخب شاگردات میں شمار کی جاتی ہیں، جن کی علمی پختگی عمیق، فکری رسوخ غیر معمولی اور ذوقِ تحقیق بالغ درجہ کا ہے۔ انھوں نے اسما کے سوا کسی اور سے اکتسابِ علم نہیں کیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی استاذہ کے وصال سے ایک دن قبل تک مسلسل حلقۂ درس سے وابستہ رہیں، اور انتقالِ استاذہ کے بعد پوری یکسوئی اور استقامت کے ساتھ میدانِ دینی خدمات میں مصروف ہو گئیں۔ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ اسما کے اکثر تلامذہ و تلمیذات بعد ازاں سمیہ سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کرتے ہیں، مگر سجی نے اس راہ کو اختیار نہیں کیا۔ اس کی پہلی وجہ، ان کے اپنے بیان کے مطابق، یہ ہے کہ سمیہ کا اسلوبِ تدریس استدلالی، قاطع اور سخت گیر ہے، جو ہر مزاج کے لیے موجبِ طمانیت نہیں بنتا، جب کہ سجی کا میلان یہ تھا کہ رد و اصلاح کا فریضہ حلم، رقتِ قلب اور نرم خوئی کے ساتھ انجام دیا جائے تاکہ اصلاح کے ساتھ تسخیرِ قلوب بھی ممکن ہو۔ دوسری وجہ، روایتِ شاذیہ کے مطابق، یہ ہے کہ سمیہ نے اسما رہو کے ساتھ پانچ علمی مناظرے کیے، اور ہر مرتبہ اسما کو شدید علمی مناقشے اور فکری دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ سجی کے نزدیک یہ طرزِ عمل اپنی استاذہ کے علمی وقار اور ادبی تقدس کے منافی تھا۔ وہ کہتی تھیں کہ جس مجلس میں استاذہ کے علم اور مقام کا لحاظ نہ رکھا جائے، وہاں سے علم حاصل کرنے میں کیا معنویت باقی رہ جاتی ہے؟ اس اعتراض کا نہایت متین اور حکیمانہ جواب سیدہ الفیہ علیہا رحمۃ نے دیا کہ اگر استاذہ سے مناظرہ ترک کرنا ہی عینِ ادب ہوتا، تو پھر امام شافعی رضی اللہ عنہ اپنے اساتذہ کے تلامذہ سے مناظرے کیوں کرتے؟ یہ جواب علمی روایت کی وسعت اور آدابِ اختلاف کی عمیق بصیرت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی ایک منفرد حقیقت ہے کہ اسما کی

شاگردات میں سجی واحد ایسی عالمہ ہیں جو سمیہ سے کبھی کسی مسئلے میں استفسار یا علمی مکالمہ نہیں کرتیں؛ ورنہ شاید ہی کوئی ایسی عالمہ ہو جو کسی نہ کسی فقہی یا اعتقادی مسئلے میں سمیہ سے مکالمہ کیے بغیر رہ گئی ہو۔ سجی آج بھی خدمتِ دین میں مصروف ہیں، تاہم سعودی حکومت کی جانب سے انھیں سمیت متعدد اہلِ علم کی علمی و دعوتی سرگرمیوں پر قدغنیں عائد کی گئی ہیں، جس کے باعث اہلِ سنت کی یہ گراں قدر خدمات عامۃ الناس تک پوری طرح منتقل نہیں ہو پاتیں۔ اسی سبب اسما رہو اور الفیہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہما کے فکری، علمی اور اصلاحی پیغامات وسیع حلقوں تک نہیں پہنچ پاتے۔ اب ہم سمیہ کے حالات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

سفرِ حرمین شریفین

سمیہ رحمہا اللہ کو بارگاہِ ایزدی میں یہ سعادت نصیب ہوئی کہ انھوں نے سنہ ۱۴۴۱ھ، بمطابق ۲۰۱۹ء میں جس سال عالمِ انسانیت وبائے عام کورونا کی سخت آزمائش سے دوچار تھا ہی اپنا اولین فریضہ حج ادا کیا۔ یہ سفر ان کے لیے محض ادائے ارکان کا نام نہ تھا، بلکہ عبادت، مجاہدہ نفس اور استغراقِ الٰہی کا ایک مکمل باب تھا، جس میں ان کے شب و روز ذکر، دعا اور انکسار میں بسر ہوئے۔ اسی طرح وہ بارہا شرفِ عمرہ سے بہرہ مند ہوئیں؛ اور مشہور و مستند روایت کے مطابق انھوں نے چھبیس ۲۶ مرتبہ عمرہ ادا کیا۔ ان مقدس ایام کی روحانی فضا میں ان کا ذہن وقاد اور قلم رواں مسلسل مصروفِ کار رہا، یہاں تک کہ ان کی چھ وقیع تصانیف انھی لمحاتِ قرب میں منصۂ شہود پر آئیں، جن میں تصنیف "اللئم" کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ روایتِ الفیہ کے مطابق، ایامِ عمرہ میں سمیہ ایک دعا کو نہایت اہتمام اور دوام کے ساتھ وردِ زبان رکھتی تھیں، جسے وہ اپنے فیضانِ علم، قبولیتِ عامہ اور شہرتِ حسنہ کا ذریعہ سمجھتی تھیں: اَللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ، وَاحْفَظْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یہ دعا ان کے سفرِ عبادت کی جان، اور ان کی حیاتِ علمی کا وہ باطنی راز تھی جس نے ان کے نام کو دوام بخشا۔

سمیہ کا اسرا کے نام وصیتی پیغام

احْفَظِي وَقْتَكِ، فَإِنَّ الْعُمْرَ لَا يَعُودُ۔ اپنے وقت کی حفاظت کرو، کیوں کہ عمر واپس نہیں آتی۔ لَا تَغْتَرِّي بِالدُّنْيَا، فَإِنَّهَا فَانِيَةٌ۔ دنیا پر مغرور نہ ہو، یہ سب فنا ہونے والا ہے۔ تَعَلَّمِي الْعِلْمَ فَإِنَّهُ نُورُ الْقُلُوبِ۔ علم حاصل کرو، کیوں کہ علم دلوں کا نور ہے۔ احْذَرِي الْغَضَبَ، فَإِنَّهُ يُفْسِدُ الْحِكْمَةَ۔ غصے سے بچو، یہ عقل کو خراب کر دیتا ہے۔ كُونِي مُخْلِصَةً فِي عِبَادَتِ۔ اپنی عبادت میں اخلاص اختیار کرو۔ لَا تُضَيِّعِي الصَّلَاةَ، فَإِنَّهَا عِمَادُ الدِّينِ۔ نماز کو ضائع نہ کرو، یہی دین کا ستون ہے۔ احْفَظِيْ لِسَانَكِ، فَإِنَّ أَكْثَرَ الْخَطَايَا مِنْهُ۔ اپنی زبان کی حفاظت کرو اکثر گناہ اسی سے ہوتے ہیں۔ تَزَيَّنِيْ بِالْأَخْلَاقِ، فَهِيَ أَفْضَلُ الزِّينَةِ۔ اچھے اخلاق اختیار کرو، یہی سب سے بہترین زینت ہے۔ لَا تَصْحَبِيْ أَهْلَ الْغَفْلَةِ۔ غفلت والوں کی صحبت اختیار نہ کرو۔ كُونِيْ شَكُوْرَةً فِي الرَّخَاءِ وَ صَابِرَةً فِي الْبَلَاءِ۔ آسانی میں شکر گزار اور آزمائش میں صابر رہو۔ احْتَرِمِيْ نَفْسَكِ يَحْتَرِمْكِ النَّاسُ۔ اپنا احترام کرو، لوگ خود تمھارا احترام کریں گے۔ لَا تَتَكَلَّمِيْ فِيْمَا لَا يَعْنِيْكِ۔ جس بات سے تمھارا تعلق نہ ہو اس میں مت پڑو۔ اجْعَلِيْ نِيَّتَكِ خَالِصَةً لِلّٰهِ۔ اپنی نیت کو صرف اللہ کے لیے خالص رکھو۔ لَا تَكُوْنِيْ قَاسِيَةَ الْقَلْبِ۔ دل کی سختی سے بچو۔ ارْضِيْ بِقَضَاءِ اللّٰهِ تَسْعَدِيْ۔ اللہ کے فیصلے پر راضی رہو، خوش رہو گی۔ لَا تَحْسِدِيْ أَحَدًا عَلٰى نِعْمَةٍ۔ کسی کی نعمت پر حسد نہ کرو۔ كُوْنِيْ مُتَوَاضِعَةً، فَالتَّوَاضُعُ رِفْعَةٌ۔ عاجزی اختیار کرو، یہی بلندی ہے۔ اِحْفَظِي الْأَمَانَةَ تَكُوْنِيْ كَرِيْمَةً۔ امانت کی حفاظت کرو، یہ شرافت کی علامت ہے۔ لَا تَكْذِبِيْ،

فَالْكِذْبُ يُهْلِكُ۔ جھوٹ نہ بولو، جھوٹ ہلاکت ہے۔ قَرِّبِيْ قَلْبَكِ مِنَ الْقُرْآنِ۔ اپنے دل کو قرآن کے قریب رکھو۔ لَا تُؤْذِيْ اَحَدًا بِقَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ۔ کسی کو قول یا فعل سے تکلیف نہ دو۔ لَا تَتَعَلَّقِيْ بِمَا يُبْعِدُكِ عَنِ اللّٰهِ۔ ان چیزوں سے دل نہ لگاؤ جو اللہ سے دور کریں۔ تَذَكَّرِي الْمَوْتَ، فَإِنَّهٗ وَاعِظٌ صَامِتٌ۔ موت کو یاد رکھو، یہ خاموش نصیحت ہے۔ لَا تُضِيعِى الفرصَ الصَّالِحَةَ۔ نیکی کے مواقع ضائع نہ کرو۔ اِحْتَرِمِيْ وَالِدَيْكِ، فَرِضَاهُمَا جَنَّةٌ۔ والدین کی عزت کرو، ان کی رضا جنت ہے۔ كُوْنِيْ رَحِيْمَةً بِالضُّعَفَاءِ۔ کمزوروں پر رحم دل بنو۔ لَا تَغْتَابِيْ اَحَدًا۔ کسی کی غیبت نہ کرو۔ اِجْعَلِيْ اَمَلَكِ فِي اللّٰهِ۔ اپنی امید اللہ سے وابستہ رکھو۔ لَا تَسْتَصْغِرِي الذَّنْبَ۔ گناہ کو چھوٹا مت سمجھو۔ كُوْنِيْ ثَابِتَةً عَلَى الْحَقِّ۔ حق پر ثابت قدم رہو۔ لَا تَفْتَخِرِيْ بِالدُّنْيَا۔ دنیا پر فخر نہ کرو۔ اِحْتَرِمِي الْعِلْمَ وَ اَهْلَهٗ۔ علم اور اہل علم کا احترام کرو۔ كُوْنِيْ نَقِيَّةَ السَّرِيْرَةِ۔ دل کی صاف رہو۔ لَا تَهْمَلِيْ نَفْسَكِ وَ آخِرَتَكِ۔ اپنے آپ اور اپنی آخرت کو نظرانداز نہ کرو۔ اِجْعَلِي الصَّبْرَ شِعَارَكِ۔ صبر کو اپنا شعار بنالو۔ لَا تَكُوْنِيْ عَبْدَةَ الْهَوٰى۔ خواہشات کی غلام نہ بنو۔ كُوْنِيْ مُسْتَعِدَّةً لِلِقَاءِ اللّٰهِ۔ اللہ سے ملاقات کی تیاری رکھو۔ لَا تَغْفِلِيْ عَنِ الدُّعَاءِ۔ دعا سے غافل نہ ہو۔ اِجْعَلِيْ اَفْعَالَكِ شَاهِدَةً لَّكِ لَا عَلَيْكِ۔ اپنے اعمال ایسے رکھو جو تمھارے حق میں گواہ ہوں، خلاف نہیں۔

حلقۂ تلامذاتِ سمیہ

سمیہ بنت خالد برہان کے تلامذہ کی تعداد دو سو سے زائد بیان کی جاتی ہے۔ ان میں سے بعض اس دارِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں، جب کہ اکثریت آج بھی حیات ہے اور اپنی زندگیاں وقار، اعتدال اور دینی شعور کے ساتھ بسر کر رہی ہے۔ یہ سب اپنے اپنے حلقہ اثر میں دین کی خدمت میں

مصروف ہیں اور اپنی استادہ کے فیضِ علم کو آگے منتقل کر رہے ہیں۔ ان تلامیذہ میں کچھ نام ایسے ہیں جو عوام میں معروف ہیں، جب کہ بہت سی شاگردات ایسی بھی ہیں جنھیں ظاہری شہرت اصلاً نہ ہو سکی۔ تاہم یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ علمی قدر و قیمت کا معیار شہرت نہیں، بلکہ اخلاص اور خدمت ہے، اور بسا اوقات خاموش خدمات ہی زیادہ اثر رکھتی ہیں۔ اس باب میں پہلے سمیہ بنت خالد برہان کے تلامذہ کا اجمالی ذکر کیا جائے گا، اس کے بعد چند نمایاں اور معروف شاگردات کا نسبتاً تفصیلی تعارف پیش کیا جائے گا۔ بعض کے حالات اختصار کے ساتھ قلم بند کیے جائیں گے، تاکہ تحریر اصل موضوع سے انحراف نہ کرے اور تسلسل برقرار رہے۔ اور کچھ لوگوں کا ذکر اس لیے نہیں کیا جائے گا کہ انھوں نے علم کا راستہ چھوڑ کر دنیاداری کو اختیار کر لیا ہے۔ سمیہ بنت خالد برہان کے ممتاز اور معروف تلامذہ میں چند نام حسبِ ذیل ہیں: سیدہ الفیہ بنت مصطفیٰ قادریہ رحمہا اللہ، سیدہ انیسہ بنت حاجب حنبلیہ، سیدہ آسیہ بنت خالد برہان شافعیہ، سیدہ شاذیہ زوجۂ محسن رحمانی، علویہ آمنہ بنت حارث شافعیہ، سانیہ بنت محمد ابن محمد شافعیہ، سیدہ مسکان بنت حامد و زوجۂ دانش رحمانی، ساجدہ فاطمہ بنت ساجد حنفیہ، عفیفہ بنت آدم مالکیہ، فزیہ بنت نذیر و زوجۂ سمیر رحمانی، یہ تمام نام سمیہ بنت خالد برہان کے تلامذہ میں سے چند ہیں۔ باقی شاگردات کا ذکر آئندہ کسی موقع پر یا کسی دوسری تصنیف میں تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا۔ مزید برآں، ان علما اور عالمات کا بھی تذکرہ آئے گا جو اگرچہ زیادہ معروف نہیں، لیکن انھوں نے اپنے عہد کی جلیل القدر عالمہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ اسی طرح ان اہلِ علم کا ذکر بھی مناسب مقام پر کیا جائے گا جو اب اس دنیا میں موجود نہیں رہے۔

سیدہ انیسہ بنت حاجب حنبلیہ

سیدہ انیسہ بنت حاجب حنبلیہ اُن ممتاز شاگردات میں شمار ہوتی ہیں جنھوں نے سمیہ بنت خالد

برہان سے علم وفہم کی تربیت پائی اور اس فیض کو سنجیدگی اور وقار کے ساتھ آگے بڑھایا۔ ان کی طبیعت میں اعتدال، گفتار میں سنجیدگی اور طرزِ فکر میں گہرائی نمایاں ہے، جو ایک پختہ طالبۂ علم کی علامات سمجھی جاتی ہیں۔ انھوں نے فقہِ حنبلی کی بنیادیں مضبوط اساتذہ کے زیرِ سایہ استوار کیں اور بعد ازاں سمیہ بنت خالد برہان کی صحبتِ علمی سے استفادہ کیا۔ یہاں انھیں محض نصابی علم نہیں، بلکہ استدلال، احتیاطِ فتویٰ اور اخلاقی توازن کی وہ تربیت ملی جو کسی بھی عالمہ کے لیے اصل سرمایہ ہوتی ہے۔ سیدہ انیسہ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ علمی اختلاف میں وقار اور تحمل کو مقدم رکھتی ہیں۔ ان کا اندازِ بیان نہ جارحانہ ہے اور نہ ہی مبہم؛ بلکہ دلیل، تہذیب اور خیر خواہی پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بات اہلِ علم کے حلقوں میں اعتماد کے ساتھ سنی جاتی ہے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ تدریس اور اصلاحِ معاشرہ کے میدان میں مصروف رہیں۔ اگرچہ انھوں نے شہرت کو کبھی مقصد نہیں بنایا، مگر ان کی خاموش اور مسلسل خدمات نے انھیں اہلِ نظر کے نزدیک معتبر مقام عطا کیا۔ ان کی مجالس میں علم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت کو بھی مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ یوں سیدہ انیسہ بنت حاجب حنبلیہ، سمیہ بنت خالد برہان کے فیض یافتہ تلامذہ میں ایک ایسی مثال ہیں جو علم کو عمل، اور فہم کو حکمت کے ساتھ جوڑتی ہیں۔

آسیہ بنت خالد برہان شافعیہ

میرا نام گرامی آسیہ بنت خالد برہان ہے۔ نسب کے اعتبار سے میں حسنی حسینی اور فقہ کے اعتبار سے شافعیہ ہوں، اور بحمدِ اللہ مجھے دوہری سیادت کا شرف حاصل ہے ہی ایک نسبت والد کی جانب سے اور دوسری والدہ کے سلسلۂ نسب سے۔ یہ شرف میرے لیے محض فخر کا موجب نہیں، بلکہ

ایک بھاری ذمہ داری رہا ہے، جس نے ابتدا ہی سے مجھے سنجیدگی، تقویٰ، اور خوفِ خدا کے سانچے میں ڈھالا۔ میری علمی زندگی کا آغاز نہایت کم سنی میں ہوا۔ بچپن ہی میں میں نے تعلیم کا راستہ اختیار کیا، اور اس راہ میں میری پہلی مربیہ اور فکری رہنما بڑی بہن سمیہ بنت خالد برہان رحمہا اللہ رہیں۔ ان کے حلقۂ درس میں میں نے نہ صرف علومِ دینیہ بلکہ علم کا جلال، دین کا وقار اور حق کے لیے بے باکی سیکھی۔ سمیہ کا اثر میری ذات میں اس طرح پیوست ہوا کہ آج بھی جب کسی مسئلے پر غور کرتی ہوں، تو ان کی ہیبتِ علم میرے شعور پر سایہ فگن رہتی ہے۔ سمیہ رحمہا اللہ ہمیشہ فرمایا کرتی تھیں: "جب بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو، تو اپنی ہر اکڑ، ہر خودی اور ہر انا کو زمین کے نیچے دفن کر کے جانا۔" یہ کلمات میرے لیے محض نصیحت نہیں بلکہ حیاتِ علمی کا دستور بن گیے۔ میں نے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمیہ کے جلال میں دیکھا یٰ وہ عشق جو سر جھکاتا، آواز کو پست کرتا اور نفس کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ سمیہ رحمہا اللہ کے وصال کے بعد میری زندگی میں خاموشی، صبر اور تنہائی کا ایک طویل باب کھلا، مگر علم سے میرا رشتہ منقطع نہ ہوا۔ اسی مرحلے پر میں نے سیدہ الفیہ بنت مصطفیٰ قادریہ رحمہا اللہ کے دامنِ علم سے وابستگی اختیار کی۔ میں نے انہی کے زیرِ سایہ فقہی تربیتی کورس مکمل کیا۔ الفیہ رحمہا اللہ کی صحبت میں علم کا دوسرا رخ سامنے آیا یٰ استدلال میں نرمی، اختلاف میں شائستگی، اور اصلاح میں حکمت کی تربیت ملی۔ الفیہ ہمیشہ فرمایا کرتی تھیں: "اگر تم واقعی عشاقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل ہونا چاہتی ہو، تو سمیہ بنت خالد کی راہ اپناؤ اور اس کی راہ کو کبھی نہ چھوڑو۔" اور امام احمد رضا کو کبھی نہ چھوڑنا۔" الفیہ رحمہا اللہ نے مجھے ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن کی طرح سمجھا اور عزت دی، جب کہ سمیہ کی نسبت کی وجہ سے میں ان کے دل میں برے احترام کی حامل بنی۔ عقیدے کے باب میں، اور خصوصاً عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میدان میں، میں نے عورتوں میں سمیہ اور الفیہ کے سوا کسی کو ایسا نہ

دیکھا جس کا علم، عقیدہ اور محبت اس قدر مضبوط، بے آمیز اور غیر مصلحت پسند ہو۔ ایک طرف سمیہ کا جلال وہ تھا جو باطل کے سامنے جھکنے سے انکار کرتا، اور دوسری طرف الفیہ کی نرمی وہ تھی جو دلوں کو توڑنے کی بجائے جوڑتی۔ انہی دو اسالیب نے میری فکری تشکیل کی۔ میں نے ہمیشہ مشاہدہ کیا کہ جب بھی کوئی رافد ابن نذیر برہان کا نام سمیہ کے سامنے لاتا، سمیہ رحمہا اللہ بڑے محبت اور بے پناہ احترام کے ساتھ فرماتی "هُوَ حَبِيبِي وَ أَنَا لَهُ" "میں اس کی ہوں اور وہ مجھ سے ہے" میں اس کی ایک سانس کے بھی برابر نہیں ہوں" "میرا رافد میرے سر کا تاج ہے" اس محبت اور عقیدت کے اثر سے آج رافد برہان نے بھی علمِ دین کا راستہ اختیار کیا، کیوں کہ سمیہ ہمیشہ دعا کرتی رہیں "**اَللّٰھُمَّ ارْزُقْکَ عِلْمَ الدِّین واجعَلکَ مِنَ الصّالحین**" اے میرے رافد! اللہ تمھیں علمِ دین سے منور کرے اور نیک لوگوں میں سے بنائے۔ یہ دعا اور محبت آج بھی رافد کے علمی سفر کا چراغ ہے، اور اسی برکت کی وجہ سے میں اور دیگر عالمہ بھی رافد کے لیے احترام و عقیدت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اسی دوران مجھے اریج بنت فہد سے بھی علمی استفادہ حاصل ہوا، جن سے میں نے بعض علوم میں رہنمائی حاصل کی۔ ان کی بصیرت نے میرے مزاج میں توازن اور وسعت پیدا کی۔ یوں میری علمی پرورش تین مختلف مگر مربوط علمی مزاجوں کے زیرِ اثر مکمل ہوئی۔ عقیدے اور عشقِ رسول ﷺ کے باب میں، الفیہ رحمہا اللہ نے مجھے ہمیشہ یہ نصیحت دی" اگر تم عاشقِ رسول بننا چاہتی ہو تو سمیہ بنت خالد سے سیکھو، اس کی راہ کبھی نہ چھوڑو، کیوں کہ عشقِ رسول ﷺ میں سمیہ کی مانند استقامت اور الفیہ کی مانند حکمت لازمی ہے۔" جہاں تک میری دینی خدمات کا تعلق ہے، میں نے ہمیشہ علم کو شہرت یا برتری کا ذریعہ نہ سمجھا، بلکہ اسے ایک امانت جانا۔ تدریس، اصلاحِ فکر، اور خواتین میں صحیح عقیدہ اور متوازن دینی شعور کی بیداری میری اولین ذمہ داری رہی۔ کوشش رہی کہ علم کو سختی کے بغیر، مگر

حق کے بغیر نہ پیش کیا جائے۔ اگر آج مجھ سے پوچھا جائے کہ سمیہ اور الفیہ میں سے کس کا اثر میری ذات پر زیادہ گہرا ہے، تو میں بلا تردد کہوں گی: سمیہ نے مجھے علم میں استقامت دی، اور الفیہ نے مجھے علم میں حکمت عطا کی۔ میں جو کچھ بھی ہوں، وہ اپنے اساتذہ کی عطا، ان کے اخلاص اور ربِ کریم کے فضل کا نتیجہ ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ علم میرے لیے باعثِ نجات بنے، نہ کہ محض تعارف یا شہرت کا ذریعہ۔

سیدہ شاذیہ زوجۂ محسن رحمانی

سیدہ شاذیہ زوجۂ محسن رحمانی اُن باوقار اور سنجیدہ شاگردات میں سے ہیں جنھوں نے سمیہ بنت خالد برہان سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور علم کو خاموش خدمت کی صورت میں اپنایا۔ ان کی شخصیت میں سکون، متانت اور فکری توازن نمایاں ہے، جو ایک صاحبِ علم خاتون کے لیے بنیادی اوصاف شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے دینی علوم کی تحصیل میں جلد بازی یا ظاہری نمائش کے بجائے تدریج اور استقامت کو شعار بنایا۔ سمیہ بنت خالد برہان کی صحبتِ علمی میں انھیں نہ صرف علمی مسائل کی باریکیاں سمجھنے کا موقع ملا، بلکہ علمی اختلاف کے آداب، نصیحت میں نرمی اور اصلاح میں حکمت کا سلیقہ بھی حاصل ہوا۔ سیدہ شاذیہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ علم کو برتری کا ذریعہ نہیں بناتیں، بلکہ اسے امانت سمجھ کر آگے منتقل کرتی ہیں۔ ان کا اندازِ گفتگو سادہ مگر بامعنی، اور ان کی نصیحت بے تکلف مگر اثر رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بات دل میں اترتی ہے اور دیرپا اثر چھوڑتی ہے۔ تعلیم کے بعد انھوں نے خانگی ذمہ داریوں کے ساتھ دینی خدمات کو ہم آہنگ رکھا اور اپنی استطاعت کے مطابق خواتین میں دینی شعور بیدار کرنے کا کام انجام دیا۔ اگرچہ وہ عوامی شہرت سے دور رہیں، مگر سنجیدہ حلقوں میں ان کا علمی وقار مسلم ہے۔ یوں سیدہ شاذیہ زوجۂ محسن رحمانی، سمیہ

بنت خالد برہان کے تلامذہ میں ایک ایسی مثال ہیں جو علم، حلم اور عمل کے حسین امتزاج کی نمائندگی کرتی ہیں۔

علویہ آمنہ بنت حارث شافعیہ

علویہ آمنہ بنت حارث شافعیہ ان تلمیذات میں شمار ہوتی ہیں جن کی شناخت بلند آواز یا نمایاں اختلاف سے نہیں، بلکہ وقار، ترتیب اور باطنی استقامت سے قائم ہوئی۔ ان کی علمی شخصیت میں ٹھہراؤ، سنجیدگی اور ضبط ایسا رچا بسا تھا کہ وہ مجلس میں کم بولتیں، مگر جب بولتیں تو کلام وزن رکھتا تھا۔ آمنہ بنت حارث نے سمیہ بنت خالد برہان رحمہا اللہ کے حلقۂ درس میں علم کو محض الفاظ یا متون کی حد تک نہیں لیا، بلکہ اسے عملی ذمہ داری کے طور پر قبول کیا۔ ان کا مزاج نہ تند تھا اور نہ جذباتی؛ وہ علم کو آہستہ آہستہ، مگر گہرائی کے ساتھ جذب کرنے والی طالبہ تھیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی فہم میں جلد بازی نہیں، بلکہ رسوخ نظر آتا ہے۔ فقہِ شافعی سے ان کی وابستگی رسمی نہ تھی، بلکہ اصولی تھی۔ وہ مسئلے کو اس کے ماخذ تک لے جا کر سمجھنے کی خوگر تھیں۔ سمیہ رحمہا اللہ کے سامنے جب وہ کسی نکتے پر گفتگو کرتیں تو اس میں احتیاط بھی ہوتی اور اعتماد بھی، گویا علم ان کے لیے اظہار کا نہیں، امانت کا معاملہ تھا۔ آمنہ بنت حارث کی نمایاں صفت یہ تھی کہ وہ علم کو اصلاحِ نفس کے لیے استعمال کرتی تھیں، نہ کہ دوسروں پر فوقیت جتانے کے لیے۔ ان کے نزدیک علم کی سب سے بڑی علامت خاموش عمل اور نرم رویہ تھا۔ اسی لیے ان کی شخصیت میں وقار تھا، مگر دعویٰ نہیں؛ گہرائی تھی، مگر نمائش نہیں۔ یہ بھی ان ہی کا خاصہ تھا کہ وہ اختلافی امور میں جلد کسی رائے کا اعلان نہیں کرتیں۔ پہلے سنتیں، پھر تولتیں، اور آخر کار وہی بات کہتیں جس کے ساتھ دلیل بھی ہو اور خیر بھی۔ یہی طرزِ فکر سمیہ رحمہا اللہ کو ان میں سب سے زیادہ پسند تھا۔ آمنہ بنت حارث شافعیہ ان تلمیذات میں سے ہیں جن

کا ذکر کم ہوا، مگر جن کی موجودگی نے درسگاہ کو سنجیدگی، توازن اور اعتماد عطا کیا۔ وہ ان چراغوں میں سے ہیں جو تیز روشنی نہیں دیتے، مگر دیر تک بجھتے بھی نہیں۔

سانیہ بنت محمد شافعیہ

سانیہ بنت محمد شافعیہ اُن تلمیذات میں شامل ہیں جن کی پہچان شور و شہرت سے نہیں، بلکہ خاموش محنت، لگن اور سنجیدگی سے بنی۔ ان کی طبیعت شروع ہی سے پر سکون، بردبار اور یکسو رہی، جو ایک طالبہ کے لیے بہت بڑی خوبی ہے۔ انھوں نے علم کو وقتی شوق نہیں بنایا، بلکہ اسے اپنی زندگی کا اہم مقصد سمجھا۔ سمیہ بنت خالد برہان رحمہا اللہ کے حلقۂ درس میں وہ عام طالبہ کی طرح نہیں بیٹھتیں تھیں، بلکہ پوری توجہ اور سمجھ کے ساتھ سبق سنتی تھیں۔ سوال کم کرتیں، مگر جب کرتیں تو بات میں گہرائی اور ترتیب ہوتی۔ فقہِ شافعی سے ان کی وابستگی مضبوط تھی۔ وہ مسائل کو صرف یاد نہیں کرتیں، بلکہ ان کے دلائل اور عملی پہلو کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتیں۔ اسی وجہ سے ان کی بات میں سنجیدگی اور توازن نظر آتا تھا۔ سانیہ بنت محمد کا یہ بھی خاص وصف تھا کہ وہ علم کو عمل اور اخلاق کے بغیر مکمل نہیں سمجھتیں۔ ان کے نزدیک علم کا اصل فائدہ یہ ہے کہ انسان کے مزاج میں نرمی، کردار میں سچائی اور فیصلوں میں انصاف پیدا ہو۔ اسی لیے ان کی صحبت میں سختی نہیں بلکہ سکون محسوس ہوتا تھا۔ سمیہ رحمہا اللہ کے جلالی مزاج کے باوجود، سانیہ نے ان سے ضبط، ثابت قدمی اور خاموشی کے ساتھ علم حاصل کرنے کا سلیقہ سیکھا۔ وہ نہ حد سے زیادہ سخت تھیں اور نہ بہت نرم، بلکہ ہمیشہ درمیانی راستہ اختیار کیا۔ سانیہ بنت محمد شافعیہ ان تلمیذات میں سے ہیں جن کا نام شاید کم لیا جائے، مگر جن کی علمی محنت نے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ وہ خاموشی سے دین کی خدمت کرنے والوں میں شمار ہوتی ہیں، اور یہی ان کی اصل پہچان ہے۔

سیدہ مسکان بنتِ حامد

اُن خوش نصیب خواتین میں سے ہیں جنھیں نسبت، قربت اور تربیت تینوں نعمتیں یکجا حاصل ہوئیں۔ وہ نسب کے اعتبار سے سمیہ بنتِ خالد برہان کی خالہ زاد بہن اور رافد ابن نذیر برہان کی فرزندِ خویش ہیں، اور عملی زندگی میں ان دونوں کے نہایت قریب رہیں۔ یہ قربت محض رشتہ داری تک محدود نہ تھی، بلکہ اعتماد، محبت اور فکری ہم آہنگی پر قائم ایک مضبوط تعلق تھا۔ مسکان نے اپنی علمی زندگی کا آغاز کم عمری میں کیا۔ اگرچہ انھوں نے باقاعدہ طور پر صرف دو برس علم حاصل کیا، مگر ان کا امتیاز یہ رہا کہ انھوں نے مطالعہ، غور و فکر اور مسلسل جستجو کے ذریعے اپنے علم کو غیر معمولی حد تک پختہ کیا۔ سمیہ بنتِ خالد کی صحبت نے ان کے ذوقِ علم کو جلا بخشی، اور علمی سنجیدگی ان کے مزاج کا حصہ بن گئی۔ تاہم ان کی زندگی کا رخ بہت جلد ذمہ داریوں کی طرف مڑ گیا۔ کم سنی ہی یعنی گیارہ برس کی عمر میں ان کی شادی ہوگئی۔ اس کے باوجود انھوں نے علم سے ناتا توڑنے کے بجائے اسے اپنی استطاعت کے مطابق جاری رکھا۔ لیکن جب ایک ہی سال کے اندر اللہ تعالیٰ نے انھوں بیٹی " آسیہ " عطا فرمائی، تو گھریلو ذمہ داریاں اس قدر بڑھ گئیں کہ باقاعدہ تعلیم کا تسلسل ممکن نہ رہا۔ یہ ترکِ علم بے دلی یا کم ہمتی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ حالات کی سختی اور ذمہ داریوں کے بوجھ کا تقاضا تھا۔ اس کے باوجود علم سے ان کا رشتہ منقطع نہ ہوا۔ رسمی درس گاہ سے دوری کے بعد بھی مطالعہ، سوال و جواب، اور اہلِ علم کی صحبت کے ذریعے وہ اپنے علمی ذوق کو زندہ رکھتی رہیں۔ سمیہ اور رافد دونوں کے ساتھ ان کی قربت نے انھیں دینی شعور، توازن اور فکری پختگی عطا کی، جس کے اثرات ان کی گفتگو اور طرزِ فکر میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ یوں سیدہ مسکان بنتِ حامد کی زندگی اس حقیقت کی گواہ ہے کہ علم کا راستہ ہمیشہ درس گاہ سے نہیں، بلکہ نیت، قربتِ صالحین اور مسلسل مطالعہ سے بھی طے ہوتا ہے۔

اگرچہ حالات نے انھیں رسمی تعلیم سے دور رکھا، مگر علم کی روشنی ان کے باطن میں ہمیشہ روشن رہی۔

ساجدہ فاطمہ بنتِ ساجد

ساجدہ فاطمہ بنتِ ساجد، سمیہ کے اُن خواتین میں شمار ہوتی ہیں جن کے اندر علم خاموشی کے ساتھ نشوونما پاتا ہے۔ وہ نہ اپنی نسبتوں کو موضوعِ گفتگو بناتی ہیں، نہ ہی اپنے سیکھے ہوئے علم کو اظہارِ برتری کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔ ان کا مزاج سادہ، طبیعت متوازن اور سوچ گہری ہے۔ ان کی تربیت کا بنیادی رنگ سیدہ سمیہ بنتِ خالد برہان رحمہا اللہ کے اثر سے تشکیل پایا۔ سمیہ کی مجلس میں بیٹھ کر ساجدہ نے یہ سیکھا کہ علم سب سے پہلے انسان کے لہجے کو درست کرتا ہے، پھر فکر کو، اور آخر میں عمل کو۔ یہی وجہ ہے کہ ساجدہ کی گفتگو میں جذبات کی شدت نہیں، بلکہ فہم کی پختگی محسوس ہوتی ہے۔ ساجدہ کے دل میں اپنی اُستادنی سمیہ کے لیے ایسا عمیق ادب راسخ تھا کہ وہ اُن سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کا احترام کرتی تھیں بی ان کا نام، ان کی بات، ان کا اسلوب، حتیٰ کہ ان کی خاموشی بھی۔ سمیہ کی نسبت ان کے نزدیک محض تعلق نہ تھی، بلکہ ایک امانت تھی، جسے وہ دل کی گہرائیوں میں سنبھال کر رکھتی تھیں۔ ساجدہ فاطمہ کے اندر ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ اختلاف کو شور نہیں بناتیں۔ اگر کسی مسئلے میں عدمِ اتفاق ہو بھی، تو وہ اسے تہذیب اور دلیل کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک علم کا اصل مقصد جیتنا نہیں، بلکہ حق کو واضح کرنا ہے بی اور اگر حق خاموشی میں محفوظ رہے، تو خاموشی کو ترجیح دیتی ہیں۔ سیدہ الفیہ بنتِ مصطفیٰ قادریہ رحمہا اللہ کی صحبت نے ساجدہ کے مزاج میں ایک اور حسن پیدا کیا: یعنی رحمت کے ساتھ اصلاح۔ الفیہ رحمۃ اللہ علیہا کی مجلس نے انھیں یہ شعور دیا کہ ہر درست بات فوراً کہہ دینا لازم نہیں، بلکہ بعض اوقات وقت، ماحول اور مخاطَب کو دیکھ کر بات کہنا ہی دانائی ہے۔ ساجدہ فاطمہ علم کو صرف کتابوں میں نہیں ڈھونڈتیں، بلکہ حالات، انسانوں اور

تجربات سے بھی سیکھتی ہیں۔ وہ خود کو ہمیشہ طالبہ سمجھتی ہیں، چاہے سامنے کوئی کم عمر ہو یا کم علم ہی یہ ان کی انکساری کا سب سے خوبصورت پہلو ہے۔ ان کی علمی پہچان کا خلاصہ اگر ایک جملے میں کیا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے: وہ علم رکھتی ہیں، مگر علم ان پر حاوی نہیں؛ بلکہ وہ علم کو اپنے اخلاق کے تابع رکھتی ہیں۔

عفیفہ بنت آدم مالکیہ

عفیفہ بنت آدم وہ ممتاز طالبہ ہیں جن کی علمی پہچان نہ تو شہرت کی بنیاد پر ہے اور نہ بلند آواز کے زور پر، بلکہ ان کی سنجیدہ فطرت، خاموش استقامت اور فکری پختگی نے انھیں منفرد مقام عطا کیا۔ ابتدائی طور پر انھوں نے سیدہ اسما بنت عبداللہ رہو رحمہا اللہ کی خدمت میں علم حاصل کیا، جہاں ان کی بنیادیں مضبوط ہوئیں۔ اسما کے وصال کے بعد انھوں نے سیدہ سمیہ بنت خالد برہان رحمہا اللہ سے تقریباً تین ماہ تک علمی فیوض حاصل کیے، اور بعد ازاں سجی بنت عثمان سے بھی رہنمائی پائی۔ آج بھی وہ سیدہ آسیہ بنت خالد برہان سے شرفِ تلمذ رکھتی ہیں۔ عفیفہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اساتذہ کی خدمت اور تعلیم کو تقدس کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ سمیہ بنت خالد برہان کے سامنے ان کا رویہ انتہائی ادب اور خشوع سے بھرپور ہوتا تھا۔ وہ اپنے سوالات اور علمی دریافت میں محتاط رہتی، اور ہر بات کو غور و فکر کے بعد اپنے ذہن میں ترتیب دیتی۔ ان کا ہر عمل اساتذہ کی عظمت اور ان کے مقامِ علمی کے احترام کا عکاس تھا۔ اساتذہ کے وصال کے بعد بھی عفیفہ نے اپنی علمی مشق ترک نہیں کی۔ خاموش مطالعہ، مستقل غور و فکر اور عملی تربیت کے ذریعے انھوں نے اپنے علم کو مستحکم بنایا۔ ان کے فکری اور اخلاقی رویے میں ہمیشہ توازن، نرمی اور سنجیدگی نمایاں رہی۔ دینی خدمات کے میدان

میں عفیفہ نے محدود مگر مؤثر کردار ادا کیا۔ انھوں نے زیادہ تر قریبی دائرے میں خواتین کی تربیت، اخلاقی اصلاح اور بنیادی دینی شعور کی بیداری پر توجہ مرکوز کی۔ وہ ثابت کرتی ہیں کہ علم کی اصل قوت بلند آواز یا شہرت میں نہیں، بلکہ وقار، اخلاص اور سکوت میں ہوتی ہے۔ عفیفہ بنت آدم آج بھی اپنی علمی پہچان اور اساتذہ سے حاصل فیوض کے سبب دینی حلقوں میں احترام کی حامل ہیں، اور ان کی علمی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ سچی لگن، صبر اور ادب ہی حقیقی علم کی ضمانت ہے۔

فزیہ بنت نذیر زوجۂ سمیر رحمانی

فزیہ بنت نذیر اُن تلمیذات میں شامل ہیں جنھوں نے علم کو وقار، ذمہ داری اور اعتدال کے ساتھ اختیار کیا۔ ان کی طبیعت میں سادگی اور سنجیدگی نمایاں ہے، اور یہی اوصاف ان کی علمی زندگی کا امتیاز بنے۔ انھوں نے سیدہ سمیہ بنت خالد برہان رحمہا اللہ سے علمی استفادہ کیا اور ان کے اسلوبِ تعلیم سے فہم، احتیاط اور دینی توازن سیکھا۔ سمیہ کے سامنے وہ کم گو رہتی تھیں، مگر بات کو غور سے سمجھنے اور محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ سمیہ رحمہا اللہ کے انتقال کے بعد فزیہ نے علم کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے دیا، بلکہ آسیہ بنت خالد برہان سے وابستہ رہیں۔ تاہم گھریلو ذمہ داریوں، خصوصاً دو بچوں کی پرورش کے باعث باقاعدہ حاضری ممکن نہ رہی۔ اس کے باوجود جب بھی موقع میسر آتا، وہ سیدہ آسیہ سے علمی استفادہ کرتیں اور مطالعہ کو اپنی استطاعت کے مطابق جاری رکھتیں۔ فزیہ ایسے علمی وروحانی گھرانے کی بہو ہیں جس کا نسب ایک عظیم بزرگ، حضرت شاہ سید ریحان ابن سید محمد رحمانی رضی اللہ عنہما سے جا ملتا ہے۔ یہ بزرگ سیدہ سمیہ کے جدِّ امجد سید محمد رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ انھوں نے اپنے بڑے بھائی سید عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے اپنے لیے "رحمانی" کا لقب اختیار کیا۔ دوسری جانب سمیہ کے جدِّ امجد منیب صاحب نے اپنے لیے

’’برہان‘‘ کا لقب پسند فرمایا، اور یہی نسبت آگے چل کر ان کی نسل میں ’’برہانی سادات‘‘ کے نام سے معروف ہوئی۔ یوں فزیہ کا تعلق ایسے خانوادے سے ہے جہاں علم، نسبت اور روحانی وقار ایک طویل تاریخی تسلسل کے ساتھ منتقل ہوتے رہے ہیں۔ اس نسبت نے ان کے مزاج میں خود اعتمادی کے بجائے انکسار اور احساسِ ذمہ داری کو زیادہ نمایاں کیا۔ ازدواجی زندگی کے بعد ان کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں، مگر علم سے رشتہ کمزور نہ ہوا۔ ان کا طریقہ یہ رہا کہ کم مگر مضبوط بنیاد پر سیکھا جائے، اور علم کو عملی زندگی میں برتا جائے۔ فزیہ کی گفتگو میں نرمی، رویّے میں شائستگی اور اختلاف میں احتیاط نمایاں ہے۔ وہ شدت اور مبالغے سے اجتناب کرتی ہیں اور دینی امور کو فہم اور توازن کے ساتھ دیکھنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ مختصراً، فزیہ بنت نذیر کی علمی پہچان سادگی، ذمہ داری اور اعتدال پر قائم ہے، اور یہی اوصاف انھیں ایک سنجیدہ اور باوقار تلمیذہ کے طور پر نمایاں کرتے ہیں۔

سیدہ الفیہ بنتِ مصطفیٰ قادریہ

سیدہ الفیہ بنتِ مصطفیٰ قادریہ رحمہا اللہ اپنے عہد کی اُن نادر علمی شخصیات میں شمار ہوتی تھیں جن کی ذات علم، وقار اور اخلاص کا حسین امتزاج تھی۔ وہ نسباً حسینیہ، مسلکاً اہلِ سنت اور فقہاً حنبلی تھیں، اور تصوف میں خانوادۂ قادریہ سے گہری وابستگی رکھتی تھیں۔ ان کی پرورش ایک ایسے علمی و روحانی ماحول میں ہوئی جہاں علم کو عبادت، اور عبادت کو ذمہ داری سمجھا جاتا تھا۔ ابتدائی عمر ہی سے ان میں غیر معمولی ذہانت، سنجیدگی اور فہم نمایاں تھی۔ انہوں نے دینی علوم کی تحصیل میں استقلال دکھایا اور ایسے اساتذہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا جن کی نسبتیں علم و تقویٰ میں مسلم تھیں، خصوصاً اسما بنت عبد اللہ رہور حمہا اللہ کے حلقۂ درس سے انھیں فکری پختگی اور تدریسی بصیرت حاصل ہوئی۔ سیدہ الفیہ رحمہا اللہ علم کو محض مناظرانہ قوت نہیں سمجھتی تھیں، بلکہ اسے اخلاق، حلم اور اصلاحِ باطن کے ساتھ جوڑتی تھیں۔

ان کے دروس میں نرمی کے ساتھ وزن، اور استدلال کے ساتھ تہذیب نمایاں رہتی۔ اختلاف ان کے ہاں نزاع نہیں، بلکہ فہم کی راہ تھا۔ عشقِ رسول ﷺ ان کی حیاتِ علمی کا مرکز تھا۔ وہ بارہا فرمایا کرتی تھیں: ''اگر کوئی سچا عاشقِ رسول ﷺ بننا چاہے، تو سمیہ بنت خالد برہان کے طرزِ علم و ادب کو اختیار کرے، اور اس راہ کو کبھی نہ چھوڑے۔'' اسی طرح وہ امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کو ایمان کی حفاظت قرار دیتی تھیں، اور اس نسبت سے جدا ہونے کو فکری خسارہ سمجھتی تھیں۔ وہ اپنی شاگردات کو صرف مسائل نہیں سکھاتیں، بلکہ علم کے ساتھ خاموش وقار، گفتگو میں ذمہ داری اور اختلاف میں شرافت سکھاتیں۔ سمیہ بنت خالد برہان سے نسبت رکھنے والوں کا وہ خاص احترام کرتیں، اور آسیہ بنت خالد برہان کو ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن کے مرتبے پر رکھتیں۔

سیدہ الفیہ بنتِ مصطفیٰ قادریہ رحمہا اللہ کی حیاتِ علمی کا اختتام ایک ایسے انجام پر ہوا جو اہلِ ایمان کے لیے باعثِ حزن اور اہلِ حق کے لیے باعثِ افتخار ہے۔ وہ دینِ حق کی تبلیغ اور حق گوئی کے جرم میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئیں۔ روایت کے مطابق ۲۷ صفر کو سرزمینِ آسٹریلیا میں انھیں سزائے موت دی گئی، اور اس سے قبل چھ دن تک شدید اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ایام میں انھیں جسمانی سزائیں دی گئیں، پردے کی پامالی کی گئی، عبادت سے روکا گیا، حتیٰ کہ نماز جیسی بنیادی عبادت پر بھی پابندی عائد کی گئی۔ مگر ان تمام مظالم کے باوجود ان کے قدم متزلزل نہ ہوئے اور نہ ہی ان کی زبان سے شکوہ یا کمزوری کا کوئی حرف نکلا۔ وہ خاموشی کے ساتھ، وقار اور صبر کے ساتھ، اپنے رب کی رضا کی طرف بڑھتی رہیں۔ افسوس کہ جب ان کی شہادت کی خبر آسیہ بنت خالد برہان اور دیگر عالمات و تلمیذات تک پہنچی، تب تک سب کچھ ہو چکا تھا۔ خبر پہنچی، مگر الفیہ موجود نہ تھیں۔ اس خبر نے آسیہ پر وہ اثر ڈالا جسے الفاظ میں سمیٹنا آسان نہیں۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق اس لمحے

ان کی کیفیت ایسی ہو گئی تھی گویا روح بدن سے جدا ہو چکی ہو۔ سمیہ بنت خالد برہان کے وصال کے بعد آسیہ کے لیے اگر کوئی واحد علمی و روحانی سہارا باقی تھا تو وہ الفیہ ہی تھیں۔ وہی جن سے وہ علم کی بات بھی کرتیں اور دل کے راز بھی۔ سمیہ کے بعد جو خلا پیدا ہوا تھا، الفیہ نے اسے اپنے شفقت آمیز رویّے، علمی متانت اور خاموش رہنمائی سے پُر کر رکھا تھا۔ الفیہ رحمہا اللہ آسیہ کو ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن کی طرح سمجھتی تھیں، اور سمیہ کی نسبت کی وجہ سے ان کے دل میں آسیہ کے لیے غیر معمولی احترام تھا۔ یہی سبب تھا کہ آسیہ کے لیے الفیہ کی شہادت صرف ایک استاذہ کا بچھڑنا نہ تھی، بلکہ ایک ایسی نسبت کا ٹوٹ جانا تھا جو علم، اعتماد اور محبت تینوں پر قائم تھی۔ ان کے بعد آسیہ نے علم کا سفر جاری رکھا، مگر اس احساس کے ساتھ کہ اب یہ راہ پہلے سے کہیں زیادہ سنسان اور ذمہ داری سے بھرپور ہو چکی ہے۔ یوں سمیہ اور الفیہ، دونوں کے وصال نے آسیہ کو جس فکری پختگی اور خاموش استقامت تک پہنچایا، وہی ان کی آئندہ علمی زندگی کی بنیاد بنی۔ یہ دو چراغ بجھ گئے، مگر ان کی روشنی آسیہ کے شعور اور عمل میں منتقل ہو چکی تھی۔

آسیہ کی فکری تنہائی:

سمیہ بنتِ خالد برہان اور سیدہ الفیہ بنتِ مصطفیٰ قادریہ رحمۃ اللہ علیہما کے وصال کے بعد آسیہ بنتِ خالد برہان ایک ایسی فکری تنہائی میں داخل ہوئیں جو بظاہر خاموش تھی، مگر باطن میں ذمہ داریوں کا ایک سمندر رکھتی تھی۔ یہ تنہائی کمزوری کی علامت نہ تھی، بلکہ وہ مرحلہ تھا جہاں انسان کو سہاروں کے بغیر کھڑا ہونا سیکھنا پڑتا ہے۔ سمیہ کے بعد الفیہ وہ واحد ہستی تھیں جن سے آسیہ نہ صرف علمی استفادہ کرتی تھیں بلکہ دل کے بوجھ اور فکر کے سوالات بھی بلا جھجھک بیان کر سکتی تھیں۔ الفیہ کا وجود آسیہ کے لیے محض ایک عالمہ کا نہ تھا، بلکہ ایک ایسا اعتماد تھا جو لفظوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ ان کی

شہادت کے بعد یہ اعتماد بھی گویا خاک میں مل گیا، اور آسیہ پہلی بار اس احساس سے دوچار ہوئیں کہ اب علم کی راہ میں سوال کرنے والا کم اور جواب دینے والا زیادہ بننا ہوگا۔ اس مرحلے پر آسیہ کی کیفیت ایسی تھی جیسے دوسمتوں سے چراغ گل ہو چکے ہوں اور درمیان میں کھڑا شخص اب اپنی ہی روشنی تلاش کرنے پر مجبور ہو۔ مگر یہی وہ مقام تھا جہاں ان کے اندر کی تربیت، صبر اور ضبط نے نئی صورت اختیار کی۔ انھوں نے غم کو شکوہ نہیں بنایا، بلکہ ذمہ داری میں ڈھال لیا۔ خاموشی ان کا لباس بنی اور وقار ان کی پہچان۔ اسی فکری تنہائی نے آسیہ کو یہ شعور عطا کیا کہ اب علم صرف حاصل کرنے کی شے نہیں رہا، بلکہ امانت بن چکا ہے۔ جو کچھ سمیہ نے سکھایا تھا اور جو کچھ الفیہ نے سنوارا تھا، اب اسے آگے منتقل کرنا ان کی ذمہ داری تھی۔ اس احساس نے ان کے طرزِ تدریس، اندازِ گفتگو اور علمی فیصلوں میں ایک خاص ٹھہراؤ پیدا کر دیا۔ یوں دو چراغوں کے بجھنے کے بعد جو اندھیرا متوقع تھا، وہ اندھیرا نہ بن سکا۔ ان چراغوں کی روشنی آسیہ کے فکر و عمل میں حلول کر گئی، اور فکری تنہائی ایک نئی بصیرت میں بدل گئی۔

رافد ابن نذیر برہان شافعی

اسم ونسب: ان کا نام رافد ہے، والد کا نام نذیر ہے، اور لقب یا نسبت ''برہان'' سید برہان کی طرف منسوب ہے۔ مذہباً فقہِ شافعی سے تعلق رکھتے ہیں، مسلکاً اہلِ سنت والجماعت سے وابستہ ہیں، اور نسباً حسنی حسینی سید ہیں۔ رافد کا نسبِ شریف سید برہان شافعی سے متصل اور منسلک ہے۔

نسبِ پدری: والد کی جانب سے رافد کا سلسلۂ نسب اس طرح منقول ہے: رافد بن نذیر بن نثار بن عبداللہ بن حسن بن منیب بن سید برہان بن سید عبدالرحمن بن سید محمد رحمهم الله تعالیٰ۔ رافد کے اموی نسب کے ذکر سے سمیہ نے صراحتاً منع فرمایا، مگر اس ممانعت کی وجہ اور علت کی کوئی توضیح بیان نہیں فرمائی۔ رافد کا نسب سید برہان کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہے، جیسا کہ سمیہ رحمہا اللہ کے بیان کردہ شجرۂ نسب میں مذکور ہے، کیوں کہ دونوں کا سلسلۂ نسب اصل کے اعتبار سے ایک ہی ہے۔ تاہم رافد کو سمیہ کی مانند دونوں جانب سے سیادت کا شرف حاصل نہیں۔ اسی سبب سمیہ رحمہا اللہ کو رافد پر تین بنیادی امور میں فضیلت حاصل تھی: تقویٰ میں استحکام، علم میں تقدم، اور نسب میں شرف وامتیاز۔

نقوشِ ولادت

سید رافد ۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ بمطابق ۱۱، اپریل ۲۰۰۷ء کو شہرِ تھانہ کے علاقے رابوڑی میں پیدا ہوئے۔ تقدیر کی لطیف ترتیب یہ تھی کہ رافد کی ولادت کے ایک دن بعد سمیہ بنت خالد برہان رحمۃ اللہ علیہا کی پیدائش ہوئی۔ گویا دونوں کی آمد ایک ہی زمانے کے قریب لکھی گئی تھی، بس تاریخ نے درمیان میں ایک دن کا فاصلہ رکھ دیا تھا۔ نسب کے اعتبار سے سمیہ رحمہا اللہ، رافد کی چچا

زاد بہن تھیں، اور یہی رشتہ آگے چل کر ایک گہری فکری اور روحانی قربت میں بدل گیا۔ رافد کے آباواجداد میں سید منیب کے بعد کوئی ایسا عالم پیدا نہیں ہوا تھا جو علمی میدان میں نمایاں ہو سکے۔ چار نسلوں کے وقفے کے بعد رافد نے علم کے راستے پر قدم رکھا اور آج زیرِ تعلیم ہے، گویا اپنے خاندان میں علم کی ایک بجھی ہوئی روایت کو دوبارہ روشن کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے برخلاف سمیہ رحمۃ اللہ علیھا کے نسب میں، اپنے والد اور جد کے سوا، اکثر افراد علم کے نور سے وابستہ رہے تھے۔ اس خاندان میں علم ایک روایت کی طرح منتقل ہوتا رہا، جیسے کوئی خاموش ذمہ داری جو نسل در نسل سنبھالی جاتی ہو۔ رافد کے ساتھ سمیہ کا ذکر صرف نسبی تعلق کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لیے بھی کہ سمیہ رحمھا اللہ نے ایک موقع پر نہایت جلال کے ساتھ ایک بات کہی تھی، جو بعد میں اس کے دل کی گواہی بن گئی۔ اس نے کہا: "لَا يَنْفَصِلُ اسْمُ رَافِدٍ عَنِّي، وَلَا أَنْفَصِلُ أَنَا عَنِ اسْمِهِ أَبَدًا؛ فَهُوَ فِي قَلْبِي سِرًّا، وَفِي رُوحِي أَثَرًا، وَفِي وُجُودِي حُضُورًا لَا يَغِيبُ۔ هُوَ لَيْسَ اسْمًا يُنْطَقُ فَقَط، بَلْ هُوَ مَعْنًى يَسْكُنُنِي، وَذِكْرَى تَسْكُنُ أَيَّامِي۔ وَمَا بَيْنَنَا رَابِطَةٌ ثَابِتَةٌ، لَا تُزَعْزِعُهَا الْأَحْدَاثُ، وَلَا تُفَرِّقُهَا الْمَسَافَاتُ۔"

ترجمہ: رافد کا نام مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوگا، اور نہ میں اس کے نام سے جدا ہوں گی؛ وہ میرے دل میں راز کی طرح ہے، میری روح میں نقش کی طرح ہے، اور میرے وجود میں ایسا حضور ہے جو کبھی غائب نہیں ہوتا۔ وہ محض ایک نام نہیں جسے زبان ادا کرے، بلکہ ایک معنی ہے جو مجھے بساتا ہے، اور ایک یاد ہے جو میرے دنوں میں رہتی ہے۔ اور ہمارے درمیان ایک مضبوط رشتہ ہے جسے نہ حالات ہلا سکتے ہیں اور نہ فاصلے جدا کر سکتے ہیں۔

یہ الفاظ محض جذباتی جملے نہ تھے، بلکہ سمیہ رحمھا اللہ کے اندر ایک فیصلہ بن کر اتر چکے تھے۔ رافد اس کے

لیے محض ایک نام نہیں تھا، بلکہ اس کی زندگی کا مفہوم، اس کی تقدیر کا سایہ اور اس کے دنوں کا راز تھا۔

شجرۂ سیادتِ برہانیہ حسنیہ

سید رافد بن نذیر بن نثار بن عبداللہ بن حسن بن منیب بن السید برھان الحسنی بن السید عبد الرحمن بن السید محمد بن السید علی شاہ ابن السید حضور اللہ بن السید عبد الرسول بن السید رحمۃ اللہ بن السید عطاء اللہ بن السید محمد سعید بن السید محمد صادق بن السید عبد اللہ بن السید عبد الغفار بن السید محمد بن السید حامد بن السید ابراھیم بن السید احمد بن السید عبد الرحمٰن بن السید عبد الکریم بن السید باقر بن السید یحییٰ بن السید نور الدین بن السید عبد اللہ بن السید عبد الوھاب بن قطب الاقطاب امام العارفین ،الشیخ السید ابوصالح محیی الدین عبد القادر الکیلانی بن السید ابو صالح موسیٰ الحسنی بن السید عبد اللہ الجیلی بن السید یحییٰ بن السید محمد بن السید داؤد بن السید موسیٰ الثانی بن السید عبد اللہ بن السید موسیٰ الجون بن السید عبد اللہ المحض بن السید ابو محمد الحسن مثلی بن امیر المومنین سید الاسخیا الامام الحسن المجتبیٰ بن قاھرُ الفرسان سیدنا الامام علی بن ابی طالب و ام سیدنا الحسین سیدۃ نساء الأولین والآخرین، درّۃ تاج الرسالۃ، بنت الإمام الأعظم و الإنسان الکامل، قطب رحی الکمال البشری، سرّ الکونین و روح الدھریۃ، جامع جمیع الشمائل الکمالیۃ، مظھر الصفات المحمودۃ و مرآۃ الحقائق الوجودیۃ، نبینا وسیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حاشیۂ الخاتمہ ـــــــــــــــــ از عالمہ سیدہ شاذیہ رحمانی

یہ کتاب ایک ایسی علمی کاوش ہے جس میں متعدد اربابِ قلم ونظر نے اپنے اپنے علمی ذوق اور تحقیقی بصیرت کے مطابق حصہ لیا ہے۔ مصنّفہ سیدہ آسیہ بنت خالد برہان شافعیۃ نے اس تصنیف کی بنیاد رکھی، جن کی تحریر میں فقہی ذوق، ادبی سلاست اور دینی وقار کا امتزاج نمایاں ہے۔ ترجمہ کی ذمہ داری مولانا سید رافد ابن نذیر برہان شافعی نے ادا کی، جنھوں نے اصل متن کی روح کو محفوظ رکھتے ہوئے اسے فہمِ عام کے قریب کر دیا، اور عبارت میں نہ لفظی خیانت ہونے دی نہ معنوی تحریف۔ تحقیق تنقیح و تصحیح کا فریضہ سیدہ الفیہ بنت محمد مصطفیٰ قادریہ حنبلیہ نے سرانجام دیا، جن کی تحقیق میں مصادر کی دقّت، حوالہ جات کی صحت، اور استدلال کی متانت نمایاں ہے، جو اس تصنیف کو علمی اعتبار سے اعتماد کا درجہ عطا کرتی ہے۔ حواشی و تعلیقات عالمہ سیدہ شاذیہ بنت عبدالحامد رحمانی کے قلم سے مزین ہیں، جنھوں نے مشکل مقامات کی توضیح، اشاراتِ دقیقہ کی تشریح، اور فکری نکات کی توضیح کر کے متن کو مزید واضح اور قابلِ استفادہ بنا دیا۔ اقوالِ رجال ونسواں کے ضمن میں متعدد اہلِ علم وفضل کے اقوال نقل کیے گیے ہیں، جن میں محمد منیب، محمد عارف، محمد ساجد، ثانیہ عابدہ، محمد عابد، سیدہ مسکان اور سیدہ شاذیہ شامل ہیں؛ تاکہ آرا کا تنوع اور فکری وسعت قاری کے سامنے آئے اور استدلال کو تقویت حاصل ہو۔ نصرتِ مسائل کے باب میں عالمہ الفیہ قادریہ رحمۃ اللہ علیہا کی علمی معاونت شامل ہے، جن کی فقہی بصیرت اور دقیق فہم نے مسائل کی توضیح اور حل میں کتاب کو معتبر اور مستند بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ واللہ أعلم بالصواب۔

مقصدِ تألیف یہ مقدمہ دراصل سیرت نگاری اور علمی دفاع کے اصولی منہج کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ مصنّفہ نے ابتدا ہی میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عصرِ حاضر میں متعدد علما وعالمات ایسی گزر چکی ہیں جن کے علمی کارنامے شہرتِ عام حاصل نہ کر سکے، اور یہ بات تاریخِ علم میں معروف ہے کہ کثیر اہلِ فضل گمنامی میں رہے، حالاں کہ ان کی علمی عظمت مسلم تھی۔ سمیہ بنت خالد برہان کا ذکر بطورِ ایک ممتاز عالمہ کے کیا گیا ہے، جس سے مصنّفہ کا مقصود محض تذکرہ نہیں بلکہ اثباتِ وجودِ علمی اور تثبیتِ مقامِ علمی ہے۔ اس لیے نسب، خانوادہ، مراحلِ تعلیم، اور فکری ارتقا کے سوالات کو مرکزی موضوع بنایا گیا ہے، تاکہ سوانحی تحقیق کے بنیادی اصول (النسب، الشیوخ، التلامذۃ) مکمل ہوں۔ اہلِ عجم اور حتیٰ کہ اہلِ خاندان میں عدمِ معرفت کا ذکر دراصل اس مسئلہ کی طرف تنبیہ ہے کہ علمی شخصیات کا وجود صرف معاشرتی حافظہ پر نہیں چھوڑا جا سکتا، بلکہ تحریری و تحقیقی اثبات ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصنّفہ نے اس کتاب کو ایک وثیقۂ تاریخی وعلمی بنانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ وہابیت اور دیوبندیت سے منسوب بعض افراد کے الزامات کا ذکر محض مناظرانہ اسلوب نہیں، بلکہ علمی ردّ ودفاع کے منہج کے مطابق ہے، کیوں کہ جرح و تعدیل، نقدِ تاریخی اور دفاعِ شخصیت، علومِ اسلامیہ میں معروف طریقۂ تحقیق ہے۔ اس کتاب میں وعدہ کیا گیا ہے کہ اقوالِ اکابر علما و عالمات سے استشہاد کیا جائے گا، جو تحقیق کے اصولی مصادر (نقول معتبرہ) کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ مصنّفہ نے جذباتی دفاع کے بجائے تحقیق، انصاف اور

بجائے تحقیق، انصاف اور علمی دیانت کو مقصود قرار دیا ہے، جو کہ اہلِ تحقیق کے نزدیک قابلِ تحسین منہج ہے۔اس سے کتاب کی نوعیت سوانحی، دفاعی اور تحقیقی تینوں جہات سے ثابت ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ مقدمہ ایک مظلوم علمی شخصیت کے تعارف، اس کے مقام کے احیا، اور اس پر وارد اعتراضات کے مدلل رد کے لیے اصولی بنیاد فراہم کرتا ہے، اور یہ اس کتاب کو محض ادبی تذکرہ نہیں بلکہ ایک علمی دستاویز بنانے کی سمت متعین کرتا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

(نحمده و نصلي على رسوله كريم) یہ جملہ کتاب یا رسالے کے آغاز میں بطورِ دعائیہ تمہید لکھا جاتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور رسولِ کریم ﷺ پر درود وسلام کا اظہار کیا جاتا ہے، تاکہ تصنیف کا آغاز برکت اور ادب کے ساتھ ہو۔

یہ تنبیہ اس لیے لکھی گئی ہے کہ قاری کو بتایا جائے کہ اس کتاب میں بیان کیے گیے کئی واقعات پہلے غلط طریقے سے لوگوں میں مشہور ہو گیے تھے۔ مصنّفہ نے ان واقعات کو تحقیق کے ساتھ ترتیب دیا ہے اور ہر جگہ اصل بات کو درست معنی کے ساتھ واضح کیا ہے۔ قاری کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ حواشی (فٹ نوٹس) اور تراجمِ اشخاص پر خاص توجہ دے، کیوں کہ ان میں واقعات کی وضاحت اور شخصیات کا تعارف موجود ہے، جس سے اصل حقیقت سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تاریخ کی کئی کتابوں میں اقوال اور واقعات کو غلط معنی میں نقل کیا گیا، اس لیے یہ کتاب ان غلطیوں کی اصلاح کے لیے لکھی گئی ہے۔ مصنّفہ کے مطالعے کے مطابق یہ کتاب غور وفکر سے پڑھنے کے قابل ہے، کیوں کہ اگر کوئی اسے سرسری طور پر پڑھے گا تو کئی اہم نکات اس کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب کی عبارت دقیق ہے اور اس میں ایسے علمی اقوال نقل کیے گیے ہیں جو عام طور پر معروف نہیں ہوتے۔ سمیہ سے متعلق افراد اور ان سے جڑے کا علمی فہم مضبوط ہو۔

سوانح اسم ونسب

یہ حصہ سمیہ بنت محمد خالد برہان کے نام، علمی القاب اور خاندانی پس منظر کے تعارف کے لیے ہے۔ یہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ ایک معزز اور علمی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کا ذکر اہلِ علم میں باقی رہا۔ نسب کے ذکر سے مقصد یہ بتانا ہے کہ سمیہ کا تعلق ایک معروف علمی خاندان سے تھا، جو اسلامی سوانح نگاری میں شخصیت کی شناخت اور تاریخی تحقیق کے لیے اہم سمجھا جاتا ہے۔

سبتُ النسب

یہ حصہ سیدہ سمیہ کے پدری اور مادری نسب کو ثبت کرنے کے لیے ہے، جو اسلامی سوانح نگاری میں ایک اہم اصول ہے۔ پدری اور مادری دونوں طرف کے نسب کا ذکر شخصیت کے خاندانی پس منظر اور سادات سے تعلق کو واضح کرتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک نسب کے اتصال کا ذکر روحانی و علمی نسبت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ تک اتصال نسب سادات کے شرف کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ آخری جملہ خاندان میں اس دوطرفہ نسب کے معروف ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے، نہ کہ قطعی انفرادیت کے دعوے کی طرف۔

نقوشِ ولادت

یہ حصہ سیدہ سمیہ کی تاریخِ پیدائش، جائے ولادت اور قریبی خاندانی افراد کے تعارف کے لیے ہے۔ قمری اور عیسوی تاریخ کا ذکر تاریخی تحقیق کی سہولت کے لیے کیا گیا ہے۔ خاندان

کے علمی ماحول نے ان کی تربیت کو معزز علمی فضا میں ڈھالا اور ان کی فکری و اخلاقی تشکیل میں بنیادی نقش ثبت کیا۔

والدہ اور ابتدائی پرورش

(۱) نسرین بنت زاہد حافظۂ قرآن تھیں حافظۂ قرآن ہونے کا ذکر سیدہ سمیہ کی ابتدائی دینی تربیت اور گھریلو علمی ماحول کی وضاحت کے لیے کیا گیا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ ان کی شخصیت کی تشکیل خالص دینی فضا میں ہوئی۔(۲) زاہدہ بنت کابر کی دعا یہ دعا سوانحی ادب میں خاندان کے روحانی پس منظر کو ظاہر کرنے کے لیے درج کی جاتی ہے، تاکہ معلوم ہو کہ سمیہ کی علمی زندگی محض اتفاق نہیں بلکہ خاندانی روحانی وراثت کا تسلسل تھی (۳) سات برس کی عمر میں حفظِ قرآن کم سنی میں حفظِ قرآن کا ذکر غیر معمولی ذہانت، حافظے کی قوت اور دینی رغبت کو ظاہر کرنے کے لیے اہم سوانحی نکتہ ہے۔(۴) دار العلوم عالیہ برکاتیہ ادارہ برصغیر میں معروف سنی دینی درس گاہوں میں شمار ہوتا ہے، جہاں فقہ، حدیث اور تفسیر کی بنیادی تعلیم دی جاتی ہے۔(۵) کنز الایمان اور تفسیر ابن کثیر کنز الایمان امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ کا اردو ترجمۂ قرآن ہے، جب کہ تفسیر ابن کثیر اہلِ سنت کی معروف کلاسیکی تفسیر ہے، جن کا مطالعہ سمیہ کی قرآنی فہم کی سنجیدگی پر دلالت کرتا ہے۔

بلا استاد علم حاصل کرنا" سے مراد رسمی مدرس یا شخصی مربی کے بغیر کتبِ تفاسیر، اصولی متون اور علمی ذخائر کے ذریعے خود تعلیم حاصل کرنا ہے۔ اسلامی روایت میں اگرچہ استاد سے تلمذ کو اصل طریقہ سمجھا گیا، مگر خود مطالعہ اور ذاتی مجاہدہ سے تحصیلِ علم کو بھی معتبر علمی ریاضت قرار دیا گیا ہے، خصوصاً جب طالبِ علم غیر معمولی فہم اور استحضار کا حامل ہو۔ ماہرینِ تفسیر کے امتحانات میں اول درجہ حاصل کرنا سیدہ سمیہ رحمہا اللہ کی غیر معمولی ذہانت، قرآنی فہم اور استدلالی قوت کا مظہر ہے، جس سے ان کی علمی قابلیت اور فکری استقلال کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہی وصف بعد کے علمی مقام کا مقدمہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ نسرین کا کم سنی میں نکاح اُس عہد کے معاشرتی عرف اور خاندانی اقدار کا عکاس ہے، جہاں بلوغت کے بعد نکاح کو دین و اخلاق کے تحفظ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، خصوصاً ایسے گھرانوں میں جہاں علم، دیانت اور حسب ونسب کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔ خالد برہان کی کم عمری اور عدمِ مستقل ذریعۂ معاش کے باوجود نکاح قبول کرنا توکل علی اللہ اور رضا بالقضاء کی عملی مثال ہے، جسے اسلامی اخلاقیات میں اعلیٰ درجے کی روحانی کیفیت شمار کیا جاتا ہے، کہ بندہ ظاہری اسباب سے زیادہ ربّانی تقدیر پر اعتماد کرے۔ حمل کے زمانے میں سورۂ نور اور سورۂ رحمٰن کی کثرت سے تلاوت روحانی تربیت اور جنینی تاثیر کے تصور سے متعلق ہے، جس کا ذکر اخلاقی اور صوفیانہ لٹریچر میں کثرت سے ملتا ہے کہ قرآن کی آیات ماں کے قلب اور بچے کی فطرت پر نورانی اثرات چھوڑتی ہیں۔ حمل کی مدت کے متعلق غیر معمولی مدت کا ذکر فقہی و طبی استثنا کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ فقہا نے حمل کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت پر مفصل مباحث قائم کیے ہیں، اور تاریخی سوانح میں ایسے بیانات بطورِ روایت و روایتِ خاندان محفوظ رہتے ہیں۔ ولادت کے وقت نسرین پر طاری ہونے والی جلال و ہیبت کی کیفیت ایک نفسی اور روحانی تجربہ ہے، جسے سوانحی ادب میں امانتِ الٰہی کا شعور اور تقدیر کی داخلی گواہی کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، گویا والدہ کے قلب میں اس بچے کی غیر معمولی شان کا ابتدائی ادراک پیدا ہو گیا ہو۔ "کسی خاص شان اور مقصد کے ساتھ دنیا میں آنا" سوانحی اسلوب کا ایک معروف پیش خیمہ ہے، جس کے ذریعے بعد کی عظمتِ علمی و روحانی کو تمہیدی طور پر مقدر اور منتخب دکھایا جاتا ہے، اور

قاری شخصیت کی تقدیری خصوصیت کا احساس دلایا جاتا ہے۔

الفیہ کی کتاب تَقْوِیمُ مَقَالَاتِ الْخَاتِمَۃِ میں سے چند اعتراضات

سیدہ الفیہ رحمہا اللہ نے اس بات پر تنبیہ کی کہ ”بلا استاد علم حاصل کرنا“ کا جملہ علمی روایت کے خلاف فہم پیدا کر سکتا ہے، کیوں کہ دین کا علم عموماً استاد اور سند کے ذریعے منتقل ہوتا ہے۔ اس پر اسیہ نے لکھا کہ اس تعبیر سے مراد کلی انقطاعِ اساتذہ نہیں، بلکہ سیدہ سمیہ رحمہا اللہ کی ذاتی محنت، کثرتِ مطالعہ اور غیر رسمی تربیت کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نفوسِ نادرہ اپنی شدید طلب اور ذہانت کے باعث رسمی اسلوب کے بغیر بھی علم میں امتیاز حاصل کر لیتے ہیں۔ الفیہ نے یہ بھی کہا کہ امتحان میں اول آنا تفسیر میں امامت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ اسیہ نے جواب دیا کہ یہاں امتحان کا ذکر محض ان کی فطری ذہانت اور استعداد کے اظہار کے لیے ہے، نہ کہ انھیں فی الفور مرجعِ تفسیر ثابت کرنے کے لیے۔ کم سنی میں نکاح کے ذکر پر الفیہ نے کہا کہ اس بات کو تاریخی عرف کے ساتھ واضح کرنا چاہیے تاکہ قاری معاصر پیمانوں سے غلط فہمی میں نہ پڑے۔ آسیہ نے وضاحت کی کہ سوانح نگاری میں واقعات کا ذکر زمانی سیاق کے ساتھ کیا جاتا ہے، حکم یا ترغیب مقصود نہیں ہوتی، بلکہ تاریخ اور روایت کا تحفظ مقصود ہوتا ہے۔ خالد برہان کے عدمِ معاش کے باوجود نکاح کو توکل کی مثال بنانے پر الفیہ نے کہا کہ توکل ترکِ اسباب نہیں۔ اسیہ نے لکھا کہ یہاں توکل قلبی اعتماد کے معنی میں ہے، نہ کہ اسباب سے غفلت کے مفہوم میں۔ حمل کے دوران سورۂ نور اور سورۂ رحمٰن کی تلاوت کے اثرات کے بارے میں الفیہ نے کہا کہ اسے قطعی تاثیر کے طور پر نہ پیش کیا جائے۔ اسیہ نے لکھا کہ یہ ذکر ترغیب اور حسنِ ظن کے باب سے ہے، نہ کہ تجربی قانون کے باب سے۔ حمل کی غیر معمولی مدت کے بیان پر الفیہ نے فقہی اقوال کی صراحت کی ضرورت پر زور دیا۔ آسیہ نے کہا کہ یہ بیان خاندانی روایت کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ طبی دعویٰ مقصود نہیں۔ ولادت کے وقت ماں پر طاری ہونے والی ہیبت کے احساس پر الفیہ نے کہا کہ اسے غیبی یقین نہ سمجھا جائے۔ اسیہ نے لکھا کہ یہ وجدانی کیفیت سوانحی تمہید کے طور پر ذکر کی گئی ہے، نہ کہ غیب دانی کے دعوے کے طور پر۔ ”خاص شان اور مقصد کے ساتھ دنیا میں آنا“ کے جملے پر الفیہ نے اسے ادبی اسلوب قرار دیا۔ اسیہ نے بھی تصریح کی کہ یہ بلاغی تعبیر ہے، جس سے بعد کی عظمتِ علمی و روحانی کے لیے قاری کو ذہنی طور پر آمادہ کرنا مقصود ہے، نہ کہ انتخابِ الٰہی کا قطعی دعویٰ۔

سمیہ کی ولادت کے وقت خالد برہان کی مسرت اور اضطراب کی دوہری کیفیت ایک فطری انسانی تجربہ ہے، جو کم عمری اور مالی تنگی کے ساتھ والدین بننے کے احساس سے پیدا ہوتی ہے۔ سوانحی ادب میں ایسے جذباتی تضاد کو والدین کی ذمہ داری کے شعور کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ خالد کی کم عمری اور معاشی تنگی کے ذکر سے اس خاندان کی ابتدائی جدوجہد اور سماجی حقیقت کا اظہار مقصود ہے، تاکہ بعد کی علمی و اخلاقی رفعت کا پس منظر واضح ہو سکے۔ سیدہ نسرین کے تقویٰ، صبر اور پرہیزگاری کا بیان تربیتی ادب کا ایک معروف اسلوب ہے، جس میں ماں کی روحانی کیفیت کو اولاد کی تربیت میں بنیادی عنصر قرار دیا جاتا ہے، اور اسے گھر کے استحکام کا اصل سہارا سمجھا جاتا ہے۔ دوسری بیٹی سیدہ آسیہ کی ولادت کے ذکر سے خاندان کی تشکیل اور نسوانی تربیتی سلسلے کی تکمیل کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں بہنوں کی پرورش مشترکہ ماحول میں ہوئی۔ پیدائش ہی سے تربیت کے آغاز کا بیان اسلامی تربیتی فکر کی نمائندگی کرتا ہے، جہاں بچے کی اخلاقی و دینی تشکیل

کو ابتدائے طفولیت سے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ پانچ برس کی عمر میں قاعدہ کی تعلیم اور ساتھ اسکول میں داخلہ دینا دینی اور عصری تعلیم کے امتزاج کی طرف اشارہ ہے، جو اس گھرانے کی اعتدالی تربیتی حکمت کو ظاہر کرتا ہے۔ دو برس میں قاعدہ مکمل کرنا غیر معمولی ذہانت اور محنت کی علامت ہے، اور سوانح میں ایسے واقعات کو شخصیت کی فطری استعداد کے قرائن کے طور پر محفوظ کیا جاتا ہے۔ سات برس کی عمر میں حافظۂ قرآن ہونا اور تیرہ دن میں حفظ مکمل کرنے کا بیان غیر معمولی اور نادر مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ تربیتی ادب میں ایسے واقعات کو کرامتِ فہم اور قوتِ حافظہ کے مظاہر کے طور پر درج کیا جاتا ہے، اگرچہ عملی طور پر اس نوع کی سرعت کو استثنائی اور نادر الوقوع سمجھا جاتا ہے۔ آسیہ کے قاعدہ میں مشغول ہونے کا ذکر دونوں بہنوں کے تعلیمی تفاوت اور انفرادی استعداد کے فرق کو ظاہر کرتا ہے، جو بعد کے علمی کردار کی تفہیم میں مدد دیتا ہے۔ رافد ابن نذیر کی ولادت کا سمیہ سے ایک دن قبل ہونا نسبی اور تقدیری ربط کے تمثیلی بیان کے طور پر درج کیا گیا ہے، جس سے بعد کے تعلقات اور داستانی ربط کے لیے ایک تمہیدی اشارہ قائم ہوتا ہے۔ عبدالرؤوف کا مالی مدد نہ دینا تربیتی حکمت اور خودداری کی تعلیم کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو خود انحصاری اور محنت کا عادی بنانا چاہا۔ پوتیوں کی تعلیم کے اخراجات خود برداشت کرنا خاندانی سرپرستی اور علمی سرمایہ کاری کی علامت ہے، جو بزرگوں کے علمی شعور اور مستقبل بینی کو ظاہر کرتا ہے۔ جدِ امجد سید عبدالرؤوف برہان کی اصول پسندی اور دور اندیشی کو نسلوں کی کامیابی کا سرچشمہ قرار دینا سوانحی اسلوب کا معروف طریقہ ہے، جس میں خاندان کے بزرگ کو اخلاقی اور تربیتی وراثت کا مرکز دکھایا جاتا ہے۔

انتخابِ رافد اور وصیتِ نسرین

سیدہ نسرین کی جانب سے رافد کے انتخاب کا یہ واقعہ محض ایک خاندانی ترجیح نہ تھا، بلکہ اس میں نسبی شعور، روحانی بصیرت اور مستقبل بینی کے آثار نمایاں ہیں۔ روایات میں مذکور محدود ملاقاتوں کے باوجود ان کا فیصلہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بعض تعلقات ظاہری کثرتِ ملاقات کے محتاج نہیں ہوتے، بلکہ فطری مناسبت، خاندانی نسبت اور قلبی الہام پر قائم ہوتے ہیں۔ نسرین کا جملہ ''تو ہی ہوگا'' ایک پیش گوئی کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں تقدیر کی آہٹ اور مادری فراست کا امتزاج محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح سمیہ کی طرف اشارہ کر کے ''یہ میرا بچہ ہے'' کہنا، رافد کے ساتھ ایک روحانی نسبت قائم کرنے کا اظہار تھا، گویا وہ دونوں کے مابین ایک غیر ملفوظ عہد کی بنیاد رکھ رہی تھیں۔ بیماری کے آخری ایام میں کی گئی وصیتیں اس داستان کا اخلاقی اور معنوی مرکز ہیں۔ خالد کو دی گئی وصیت میں ازدواجی انتخاب کو تقدیرِ علمی و نسبی کے ساتھ جوڑ دیا گیا، جب کہ سمیہ کو دی گئی نصیحت میں علم، استقامت اور خدمتِ امت کو حیات کا مقصد قرار دیا گیا۔ یہ وصیت نہ صرف ایک ماں کی آرزو تھی بلکہ ایک علمی و دینی مشن کی تعیین بھی تھی۔ آسیہ سے متعلق قول ''رافد تمھیں سگی بہن سے بڑھ کر چاہے گا'' میں مستقبل کے خاندانی تعلقات کے لیے محبت، اعتماد اور اتحاد کی بنیاد رکھی گئی، جو اس خاندان کے فکری اور اخلاقی نظام کو مضبوط بنانے کا ایک شعوری اقدام معلوم ہوتا ہے۔ یوں سیدہ نسرین کی یہ وصیتیں محض شخصی خواہشات نہیں، بلکہ ایک نسل کی فکری سمت، علمی تقدیر اور خاندانی روایت کے تسلسل کا اعلان تھیں، جنھوں نے بعد کی سوانحی روایت میں ایک مرکزی کردار ادا کیا۔

خالد ابن عبد الرؤوف بطورِ معمار نسل و تقدیر

خالد ابن عبد الرؤوف کی زندگی کو صرف ایک فرد کی سوانح نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کی داستان کہا جا سکتا ہے جس نے اپنے خاندان کی تقدیر کی بنیاد رکھی۔ ان کی ابتدائی تربیت والد کی سختی کے زیرِ اثر ہوئی، جس نے ان کے مزاج میں ضبط، محنت اور استقلال پیدا کیا۔ یہی صفات بعد میں ان کے فیصلوں اور طرزِ زندگی میں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ کم عمری میں شادی اور پھر اہلیہ کی وفات نے انھیں شدید تنہائی اور بڑی ذمہ داری میں مبتلا کر دیا، مگر یہی مرحلہ ان کی زندگی کا اہم موڑ ثابت ہوا۔ دو کمسن بیٹیوں کی پرورش انھیں نے صرف خاندانی ذمہ داری نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور دینی فرض سمجھ کر انجام دی۔ بڑی بیٹیوں کو عرب دنیا بھیجنا اس زمانے کا ایک اہم اور غیر معمولی فیصلہ تھا، جس میں دینی تعلیم کی خواہش اور عقیدے کے معاملے میں احتیاط دونوں شامل تھے۔ انھوں نے دوسری شادی سے اجتناب کیا اور اپنی ذاتی آسائشات کو ترک کر دیا، گویا اپنی پوری زندگی بیٹیوں کے مستقبل کے لیے وقف کر دی۔ تجارت میں ان کی تیز ترقی اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے دین اور دنیا کو الگ نہیں سمجھا، بلکہ معاشی مضبوطی کو تربیت اور اخلاقی ذمہ داری کا حصہ بنایا۔ رافد کے ساتھ ان کی خاص محبت صرف رشتہ داری تک محدود نہیں تھی، بلکہ انھوں نے اسے اخلاقی اور قلبی طور پر خاندان کا قریبی فرد سمجھا۔ وراثت کے بارے میں مختلف روایات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ خاندانی تاریخ میں یادداشت اور روایت مختلف انداز سے منتقل ہوتی ہے، اور بعض اوقات واقعات روایتوں میں قدرے مختلف صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یوں خالد ابنِ عبد الرؤوف کی زندگی ایک ایسے شخص کی مثال ہے جس نے محرومی سے طاقت، تنہائی سے مقصد اور باپ ہونے سے ایک نسل کے معمار ہونے تک کا سفر طے کیا، اور اپنی اولاد کے لیے معاشی کے ساتھ فکری اور روحانی وراثت بھی چھوڑ دی۔

راہِ تحصیلِ علم

قاری کو ان کی ابتدائی تعلیم اور رفتارِ تعلم کا اندازہ ہو سکے۔ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آٹھ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز کیا، بڑی عمر کی طالبات کے ساتھ درس میں شریک ہوئیں، اور معلمہ کے دیے ہوئے اسباق کو مجمع کے سامنے درست طور پر پیش کرتی تھیں۔ مزید یہ کہ ایک سال کے اندر عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر زبانیں سیکھنے اور دس سال تین ماہ کی عمر میں عالمیت کے جامعہ کورس کی تکمیل کا ذکر ان کی تیز رفتار تعلیمی پیش رفت کو واضح کرنے کے لیے کیا گیا ہے، تا کہ قاری ان کے علمی سفر کی نوعیت اور اہم مراحل کو سمجھ سکے۔

مشعل دارانِ درس و تربیت

سمیہ رحمۃ اللہ علیہا کے اساتذہ محدود تعداد میں تھے، لیکن ان میں سے ہر ایک نے ان کی علمی اور اخلاقی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ سارہ بنت خاب نے ان کی بنیادی تعلیم اور تفسیر کے علم کو مستحکم کیا، اسیرہ بنت جابر نے اخلاق و کردار کی نفاست سکھائی، اور امینہ بنت جارہ نے زبانوں اور دیگر علوم میں مہارت دی۔ فقہ کے علوم میں محمد ابن احمد ابن ساحل نے ان کی رہنمائی کی۔ اس کے باوجود سمیہ رحمۃ اللہ علیہا کی علمی بلندی کا سب سے بڑا سبب اسما بنت عبد اللہ رہو حنبلیہ رحمۃ اللہ علیہا کی تعلیم تھی، جن کے زیرِ سایہ سمیہ نے محض آٹھ ماہ میں وہ علم حاصل کیا جو عام حالات میں برسوں کی محنت سے حاصل ہوتا ہے۔

تعریفِ ذاتِ اسما رہو

اس مقام پر مصنّفہ نے اسما بنت عبد اللہ رہو اور سمیہ برہان کے باہمی تعلق کو محض خاندانی نسبت کے محدود دائرے میں مقید

نہیں رکھا، بلکہ اسے ایک معنوی اور فکری رشتے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ قرابتِ نسب کا ذکر اگرچہ ابتدا میں کیا گیا ہے، مگر فوراً یہ واضح کر دیا گیا کہ اصل پیوند رشتۂ علم تھا، جو نسبی نسبتوں سے کہیں زیادہ مستحکم، دیرپا اور معتبر ہوتا ہے۔ اس اسلوب سے مصنّفہ یہ باور کرانا چاہتی ہیں کہ اہلِ علم کے مابین حقیقی اخوت اور قربت کی بنیاد علم و معرفت ہے، نہ کہ محض خون اور خاندان کی وابستگی۔ اسما رہو کی تصنیف ''الکبار'' کا حوالہ دے کر سمیہ کے ابتدائی علمی عروج کو ایک غیر معمولی واقعہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، تا کہ قاری کے ذہن میں سمیہ کی فکری سرعت اور ذہنی استعداد کا تصور راسخ ہو جائے۔ ہندوستان کے شہر ممبئی اور خانوادۂ برہان سے تعلق کا انکشاف، پھر ماموں کے خاندان سے نسبت، اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ تقدیر نے پہلے علمی رشتہ قائم کیا اور بعد میں نسبی قرابت کا پردہ اٹھایا، گویا علم نے نسب سے پہلے دونوں کو ایک دوسرے سے پہچان کر جوڑ دیا۔ اسما کی ذاتی زندگی کے حالات، بالخصوص والدہ اور بھائی کی وفات کے ذکر سے مصنّفہ نے ان کی شخصیت میں صبر، استقامت اور عزمِ علم کو نمایاں کرنا چاہا ہے۔ ان جانکاہ سانحات کے باوجود علمی سفر کا تسلسل برقرار رکھنا، اسما کو محض ایک عالمہ نہیں بلکہ مجاہدہ و ریاضت سے کندن بننے والی علمی ہستی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ معلمہ بننے کے سال اور سمیہ کے آغازِ تحصیل کا تقابل دراصل ایک فکری نکتہ ہے: علم کی معراج اور علم کی ابتدا دو مختلف کیفیات ہیں، اور ہر بلند مرتبہ برسوں کی محنت، تربیت اور آزمائش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس تقابل کے ذریعے مصنّفہ نے قاری کو تدریجِ علمی کی حقیقت سے آشنا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کی خدمت اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی عنہا دینی وابستگی اور عملی تقویٰ کو ایک مثالی قالب میں ڈھالتا ہے، تا کہ ان کی علمی شخصیت محض نظری نہیں بلکہ سیرت و کردار کی آئینہ دار بھی نظر آئے۔ آخر میں سمیہ اور سیدہ الفیہ بنت مصطفیٰ کے شرفِ تلمذ کا ذکر، اور یہ سوال کہ شاگردہ ہونے کے باوجود مزید اساتذہ سے فیض کیوں حاصل کیا گیا، دراصل علمی تسلسل اور تعددِ مشائخ کی روایت کی طرف اشارہ ہے۔ مصنّفہ نے سمیہ کی غیر معمولی خدمات کو اسما کے علمی فیض کا ثمر قرار دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بعض شاگردات اپنی استعداد، سرعتِ فہم اور عملی جہد سے ایسے مدارج طے کر لیتی ہیں جو عام اہلِ علم کے لیے برسوں میں بھی دشوار ہوتے ہیں۔ اس طرح سمیہ کو ایک استثنائی اور ممتاز علمی شخصیت کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے، نہ کہ محض ایک باکمال مگر معمولی طالبہ کے طور پر۔

اعزازِ جانشینی

اس مقام پر اسما بنت عبداللہ رہو کی جانشینی کے انتخاب کو نہایت وقار اور تدبّر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ فیصلہ محض ذاتی رغبت یا عاطفی میلان کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ غور و فکر، مشاورت اور کامل اطمینان کے بعد صادر ہوا۔ چار ممتاز ناموں کا ذکر دراصل اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسما کے زیرِ تربیت متعدد باصلاحیت اور معتمد شخصیات موجود تھیں، مگر بالآخر سمیہ بنت خالد کا انتخاب اس بات کا مظہر ہے کہ ان میں علمی، اخلاقی اور قیادی اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے۔ اسلوبِ بیان میں ''ذمہ داریِ عظیم کا بار'' جیسی تعبیر سے جانشینی کے منصب کی سنگینی اور تقدّس کو نمایاں کیا گیا ہے، تا کہ قاری اس انتخاب کو ایک تاریخی و معنوی امانت کے طور پر سمجھے، نہ کہ محض ایک انتظامی تقرری کے طور پر۔

صفِ تلامذۂ اسما

یہاں مصنّفہ اسمارہو رحمہا اللہ کے علمی اثر ونفوذ کو واضح کرنا چاہتی ہیں۔ دوسو پینتیس سے زائد شاگردوں کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی مجالسِ تدریس محدود نہ تھیں، بلکہ ایک وسیع علمی حلقہ تھا جہاں بہت سے طالبات نے علم حاصل کیا۔ چند ممتاز شاگردات کے نام خصوصاً ذکر کیے گیے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اسمارہو کی تربیت سے ایسی باکمال خواتین پیدا ہوئیں جو خود علم وفضل میں نمایاں مقام رکھتی تھیں۔ استاد کے مرتبے کا اندازہ اکثر اس کے شاگردوں سے ہوتا ہے، اور یہاں شاگردات کا ذکر اسی مقصد کے لیے ہے۔ شاگردوں کو ''فرزندانِ علم'' کہنا ایک ادبی تعبیر ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ یہ سب اسمارہو کی علمی تربیت کا ثمر تھے۔ علم، اخلاق اور تقویٰ کو ساتھ ذکر کر کے مصنّفہ نے یہ بات واضح کی ہے کہ حقیقی تعلیم صرف کتابی نہیں بلکہ اخلاقی تربیت بھی ہے۔ آخر میں بعض شاگردات کے حالات کے نامکمل ہونے کا ذکر مصنّفہ کی علمی احتیاط کو ظاہر کرتا ہے، کہ جہاں مکمل معلومات نہ ہوں وہاں دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ تحقیق کو جاری رکھا گیا ہے۔

سیدہ الفیہ بنت مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہا

اس مقام پر مصنّفہ نے سیدہ الفیہ قادریہ رحمہا اللہ کا تعارف نسب، فقہی مسلک اور علمی مقام کے تین بنیادی پہلوؤں سے کرایا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ سے نسب کا ذکر محض شرفِ نسب کی خبر نہیں، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کی علمی و روحانی شخصیت ایک معزز سادات گھرانے سے وابستہ تھی، جس سے ان کے وقارِ شخصی میں اضافہ ہوتا ہے۔ فقہی نسبت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف کر کے ان کے مسلکی رجحان کو واضح کیا گیا ہے، اور والد کی نسبت تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ سے جوڑ کر ان کے خانوادے کی علمی و خانوادے کی علمی وروحانی روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تربیت محض ذاتی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک مستحکم علمی وروحانی ماحول میں ہوئی۔ کم سنی میں عالمہ کا رتبہ حاصل کرنے کا ذکر ان کی غیر معمولی ذہانت، محنت اور استعداد کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، تا کہ قاری کے ذہن میں ان کی علمی امتیازی حیثیت واضح ہو جائے۔ اسی طرح اسمارہو اور سمیہ برہان سے تلمذ کا بیان اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے متعدد اکابر سے فیض حاصل کر کے اپنی علمی بنیاد کو مضبوط کیا۔ آخر میں وفات کے بعد بھی ان کی علمی خدمات اور شاگردوں کے اثرات کا ذکر اس تذکرے کو محض سوانح نہیں بلکہ ایک علمی میراث کا بیان بنا دیتا ہے، کہ حقیقی عالم کی زندگی اس کے بعد بھی اس کے علم اور تربیت کے ذریعے جاری رہتی ہے۔

سجی بنت عثمان شافعیہ

اس حصے میں سجی بنتِ عثمان شافعیہ کے علمی تعارف، تربیت اور فکری مزاج کو نسبتاً تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ ان کی ولادت، ابتدائی ذہانت اور اسمارہو کے ساتھ طویل تلمذ کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ واضح ہو سکے کہ ان کی علمی شخصیت محض ذاتی مطالعہ کا نتیجہ نہیں، بلکہ منظم تربیت، مسلسل صحبتِ استاد اور سخت علمی ریاضت کی پیداوار تھی۔ حدیث کی معتبر سند کا حصول ان کے راسخ فہم اور قوتِ استنباط کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو کسی بھی عالمہ کے لیے ایک بلند علمی مرتبہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی تصنیف الزوم کا ذکر مصنّفہ نے خصوصی اہمیت کے ساتھ کیا ہے تا کہ سجی کے عقائدی وفکری میدان میں کردار کو اجاگر کیا جا سکے۔ نجدیت کے رد کو مضبوط دلائل اور علمی وقار کے ساتھ پیش کرنے کا بیان اس بات کی دلیل ہے کہ وہ محض ناقلۂ علم نہ تھیں بلکہ صاحبِ نظر ناقدہ اور مجتہدانہ فکر رکھنے والی

عالمہ تھیں۔ اہلِ علم کی تحسین کا حوالہ ان کے علمی مقام کو مستند اور معتبر بنانے کے لیے درج کیا گیا ہے۔ اسما رہو کے ساتھ ان کی غیر معمولی وابستگی اور سمیہ سے عدمِ تلمذ کی تفصیل، دراصل اس دور کے علمی مزاجات کے اختلاف کو ظاہر کرتی ہے۔ سجی کا نرم خو، اصلاحی اور حلم پر مبنی اسلوب کو ترجیح دینا، اور سمیہ کے جلالی و سخت انداز سے گریز کرنا، اس بات کا اظہار ہے کہ علمی خدمت کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں، اور ہر عالمہ اپنی طبیعت و مزاج کے مطابق طریقِ اصلاح اختیار کرتی ہے۔ مناظرات کے واقعے اور سیدہ الفیہ کے جواب کا ذکر ادبِ اختلاف اور علمی روایت کی وسعت کو واضح کرتا ہے، کہ علمی مناقشہ بذاتِ خود بے ادبی نہیں بلکہ فہم واستدلال کی روایت کا حصہ ہے، بشرطے کہ حدودِ ادب ملحوظ رہیں۔ اس سے قاری کو علمی تاریخ میں اختلاف کے آداب سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آخر میں سعودی حکومت کی پابندیوں کا ذکر اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ بعض علمی و دعوتی خدمات سیاسی و انتظامی رکاوٹوں کے سبب عام لوگوں تک پوری طرح نہیں پہنچ سکیں، جس کے باعث اسما، الفیہ اور سجی جیسی عالمات کی فکری و اصلاحی کوششیں محدود حلقوں میں محصور رہ گئیں۔

(الفیہ اور سجی کے اختلاف کی توضیح)

اس مقام پر سجی بنتِ عثمان اور سیدہ الفیہ قادریہ کے مابین اختلافِ مزاج و منہج کی ایک لطیف جھلک دکھائی گئی ہے، جسے شخصی نزاع کے بجائے علمی و فکری تنوع کے طور پر سمجھنا چاہیے۔ سجی کا رجحان نرم خوئی، حلم اور تدریجی اصلاح کی طرف تھا؛ وہ سمجھتی تھیں کہ اصلاحِ فکر دلوں کی تسخیر اور اخلاقی اثر سے زیادہ پائدار ہوتی ہے، اس لیے سخت اسلوبِ مناظرہ کو پسند نہیں کرتیں۔ اس کے برعکس سیدہ الفیہ کا زاویۂ نظر یہ تھا کہ علمی مناظرہ اور شدید علمی مکالمہ خود علمی روایت کا حصہ ہے، اور استاد یا اکابر کے ساتھ یا ان کے تلامذہ کے ساتھ مناظرہ کرنا بذاتِ خود بے ادبی نہیں، بلکہ فہم کی پختگی اور استدلال کی آزمائش کا ذریعہ ہے۔ ان کا استدلال امام شافعی رحمہ اللہ کی علمی روایت سے مثال دے کر اس بات کو واضح کرتا ہے کہ علمی اختلاف تاریخِ اسلام میں ہمیشہ ترقیِ علم کا محرک رہا ہے۔ یوں سجی اور الفیہ کا اختلاف دراصل ادب و حلم پر مبنی اصلاحی منہج اور جلالی و مناظراتی علمی روایت کے درمیان ترجیح کا اختلاف تھا، نہ کہ عقیدے یا بنیادی علمی اصولوں کا نزاع۔ یہ اختلاف علمی روایت کے اندر تنوعِ اسالیب کی علامت ہے، جو ایک ہی مدرسۂ فکر میں مختلف مزاجات کے وجود کو ممکن اور مفید قرار دیتا ہے۔

سفرِ حرمین شریفین

مصنفہ نے سمیہ رحمہا اللہ کے سفرِ حج و عمرہ کو محض تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ایک باطنی سلوکی مرحلہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ وبا کے زمانے میں حج کی ادائیگی کو خاص طور پر ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حقیقی عبادت خوفِ دنیا اور اضطرابِ حالات کے باوجود ترک نہیں ہوتی، بلکہ ایسے حالات میں بندہ مزید اخلاص اور توکل کے ساتھ بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ چھبیس مرتبہ عمرہ کا ذکر کثرتِ عبادت کے بیان کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سمیہ رحمہا اللہ کے نزدیک حرمین شریفین محض زیارت کے مقامات نہ تھے، بلکہ روحانی خلوت، فکری ریاضت اور تصنیفی مشغلہ کے مراکز تھے۔ مقدس مقامات کی قربت نے ان کے قلم کو ایک خاص روحانی تاثیر عطا کی، جسے مصنفہ نے ان کی تصانیف کی کثرت سے تعبیر کیا ہے۔ مخصوص دعا ؛اللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ، وَاحْفَظْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ کو ان کے فیضانِ علم اور قبولیت سے جوڑنا دراصل اس قرآنی و

حدیثی تصور کی طرف اشارہ ہے کہ علم کی برکت، قبولیت اور دوام بندے کے ذاتی کمال کا نہیں بلکہ الٰہی توفیق اور دعا کی قبولیت کا ثمر ہوتا ہے۔ مصنّفہ نے اس دعا کو ''باطنی راز'' کہہ کر سمیہ کی شہرت اور اثر پذیری کو محض علمی مہارت نہیں بلکہ ربانی عطا کے طور پر پیش کیا ہے، جو صوفیانہ تذکرہ نگاری کی معروف اسلوبی روایت ہے۔ یوں یہ حصہ سمیہ رحمہا اللہ کے حج و عمرہ کو شریعت، سلوک اور علم کے باہم پیوستہ سفر کے طور پر تعبیر کرتا ہے، جہاں عبادت قلم میں ڈھلتی ہے اور دعا علمی اثر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

سمیہ کا اِسرا کے نام وصیتی پیغام

یہ مجموعۂ اقوال دراصل سمیہ رحمہا اللہ کے فکری منہج اور اخلاقی تربیت کے جامع اصولوں کا خلاصہ ہے، جسے انھوں نے اِسرا کے نام وصیت و نصیحت کے قالب میں پیش کیا ہے۔ اس پیغام میں وقت کی قدر، دنیا کی ناپائیداری، علم کی فضیلت اور عبادت کے اخلاص جیسے بنیادی اسلامی تصورات کو نہایت سادہ مگر حکیمانہ اسلوب میں جمع کر دیا گیا ہے، جس سے ان کی تربیتی بصیرت اور اخلاقی فکر کی وسعت ظاہر ہوتی ہے۔ سمیہ نے ان نصائح میں شریعت اور اخلاق کو باہم پیوستہ دکھایا ہے؛ نماز، نیت، قرآن سے تعلق اور دعا کو روحانی زندگی کی بنیاد قرار دیا، جبکہ زبان کی حفاظت، تواضع، امانت، صدق، صبر اور رحم دلی کو معاشرتی زندگی کا ستون بتایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک دین محض عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اخلاقی و عملی نظامِ حیات ہے۔ دنیا سے بے رغبتی، موت کی یاد، آخرت کی تیاری اور خواہشاتِ نفس سے اجتناب جیسے مضامین ان کے صوفیانہ ذوق اور تزکیۂ نفس کی فکر کو نمایاں کرتے ہیں۔ اسی طرح والدین کی رضا، اہلِ علم کا احترام اور کمزوروں پر شفقت کے مضامین ان کے صوفیانہ ذوق اور تزکیۂ نفس کی فکر کو نمایاں کرتے ہیں۔ اسی طرح والدین کی رضا، اہلِ علم کا احترام اور کمزوروں پر شفقت کے مضامین ان کے سماجی شعور اور تربیتی ذمہ داری کا اظہار ہیں۔ آخر میں اعمال کو گواہ بنانے کی وصیت اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی اصل پہچان اس کے افعال سے ہوتی ہے، اور یہی افعال قیامت کے دن اس کے لیے دلیل یا حجت بنیں گے۔ یوں یہ پیغام ایک طالبہ یا مریدہ کے لیے نہیں بلکہ ہر سالکِ راہِ حق کے لیے ایک اخلاقی منشور کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں سمیہ رحمہا اللہ کی روحانی حکمت، تربیتی بصیرت اور عملی دین فہمی یکجا ہو کر جلوہ گر ہوئی ہے۔

دعا کی تفسیر و تعلیق الدعاء: اَللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ، وَاحْفَظْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تفسیر: اس دعا میں دو عظیم اصولِ دینیہ جمع کیے گئے ہیں: نجاتِ فرد اور بقا و سلامتیِ امت۔ لفظ »أَجِرْنَا« مادہ جَوْر سے مشتق ہے، جس کے معنی پناہ دینے اور بچانے کے ہیں؛ گویا دعا کرنے والا اپنے نفس کو عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے ربِ کریم کی پناہ میں داخل کر رہا ہے۔ یہ وہ اسلوب ہے جو انبیا و صلحا کی دعاؤں میں کثرت سے پایا جاتا ہے، کیوں کہ نجاتِ اخروی بندے کی سب سے اعلیٰ طلب ہے۔ اور جملہ »وَاحْفَظْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ« میں حفظِ امت کی دعا، محض ظاہری سلامتی تک محدود نہیں، بلکہ دین، ایمان، عقیدہ، علم اور اخلاق کی حفاظت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ مفسرین نے حفظِ امت کو حفظ فی الدین والدنیا کے معنی میں لیا ہے، یعنی امت کو فتنوں، بدعات، فکری انحراف اور اخلاقی زوال سے محفوظ رکھنا۔ یہ دعا اس حقیقت کی بھی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کامل عبد وہ ہے جو اپنی نجات کو امت کی فلاح سے جدا نہیں سمجھتا؛ بلکہ اپنی سعادت کو اجتماعی خیر کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ یہی وہ جامع روحانی بصیرت ہے جو اولیا و اکابر کے

مزاج میں پائی جاتی ہے، اور سمیہ بنت خالد برہان رحمہا اللہ کے علمی وروحانی مشرب میں نمایاں تھی۔

حلقۂ تلامیذاتِ سمیہ

علمی تاریخ کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ کسی عالم یا عالمہ کے فیضِ وجود اور دوامِ اثر کا حقیقی پیمانہ اس کا حلقۂ تلامذہ ہوتا ہے؛ کیوں کہ تصانیف وقت کی گردش میں مفقود ہو سکتی ہیں، مگر شاگردوں کے ذریعے منتقل ہونے والی علمی روایت نسل در نسل محفوظ رہتی ہے۔ سمیہ نت خالد برہان کا کثیر تعداد میں تلامیذات کا وجود اس امر کی شاہدِ عدل ہے کہ ان کا اثر محض ذاتی علمی کمال تک محدود نہ تھا، بلکہ ایک منظم اور مسلسل فکری سلسلہ کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ ان کے تلامذہ مختلف فقہی مذاہب اور علمی اذواق سے تعلق رکھتے تھے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سمیہ کا حلقۂ درس کسی خاص مکتبِ فکر کی تنگ حدود میں محصور نہ تھا، بلکہ وہ علمی وسعت، استنباطی جرأت اور فکری مکالمہ کی داعی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی شاگردات نے اپنے اپنے علاقوں اور حلقہ ہائے اثر میں تعلیم وتربیت کا مستقل سلسلہ قائم کیا، اور یوں سمیہ کا علمی فیضان جغرافیائی حدود سے ماورا ہو کر عالمِ اسلامی کے مختلف گوشوں تک پہنچا۔ مزید یہ کہ بہت سی شاگردات کی گمنامی اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ ان کی خدمات قلیل تھیں؛ بلکہ تاریخِ علم میں اکثر وہی افراد سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوئے ہیں جنھوں نے خاموشی سے علم و اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ پس سمیہ بنت خالد برہان کا حلقۂ تلامیذات درحقیقت ان کے علمی مقام، تربیتی بصیرت اور فکری رسوخ کا زندہ ثبوت ہے، اور یہی وہ سرمایۂ جاوداں ہے جو ہر صاحبِ علم کے لیے باعثِ فخر و دوام سمجھا جاتا ہے۔

سیدہ انیسہ بنت حاجب حنبلیہ

سیدہ انیسہ بنت حاجب حنبلیہ کی سوانح کو یہاں سمیہ بنت خالد برہان کے تربیتی سلسلے کی ایک نمایاں کڑی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ فقہِ حنبلی کی مضبوط اساس نے ان کے فکری منہج کو نصوص اور اصول کے ساتھ مربوط رکھا، جب کہ سمیہ کی صحبت نے اس علمی بنیاد میں استدلال، احتیاطِ فتویٰ اور اخلاقی توازن کی روح پیدا کی۔ عبارت میں ان کے مزاج کی اعتدال پسندی، سنجیدہ گفتار اور عمیق طرزِ فکر کو ایک پختہ طالبۂ علم کی علامات کے طور پر بیان کیا گیا ہے، نیز علمی اختلاف میں وقار اور تحمل کو ان کی امتیازی صفت قرار دیا گیا ہے۔ شہرت سے بے نیازی اور خاموش علمی خدمت کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی شخصیت میں اخلاص اور عملی تربیت کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، اور ان کی مجالس میں علم کے ساتھ اخلاقی اصلاح کو بھی بنیادی مقام دیا جاتا تھا۔

سیدہ آسیہ بنت خالد برہان

یہ خود نوشت تحریر آسیہ بنت خالد برہان شافعیہ کی علمی، نسبی اور روحانی شناخت کو یکجا پیش کرتی ہے۔ مصنفہ نے دوہری سیادت (حسنی و حسینی نسبت کو محض نسبی امتیاز نہیں بلکہ اخلاقی و دینی ذمہ داری کے طور پر بیان کیا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شرفِ نسب تقویٰ اور سنجیدگی کے بغیر معتبر نہیں۔ سمیہ بنت خالد برہان کو پہلی مربیہ اور فکری رہنما کے طور پر ذکر کرنا اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ابتدائی علمی تربیت میں اساتذہ کی شخصیت کس قدر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ سمیہ کے جلالِ علم، حق گوئی اور عشقِ رسول ﷺ کے تصور کو مصنفہ نے اپنی فکری بنیاد قرار دیا ہے، جو ان کے علمی مزاج میں استقامت اور غیر مصلحت پسندی کا سبب بنا۔ اس کے مقابلے میں سیدہ الفیہ بنت مصطفیٰ قادریہ کی تربیت کو نرمی، حکمت

اور شائستگی کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ اس سے یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ آسیہ کی شخصیت میں دو مختلف تربیتی اسالیب کا امتزاج ہے۔ ایک طرف حق پر سختی، دوسری طرف اصلاح میں نرمی۔ یہی اعتدال کسی بھی عالمہ کے لیے کمال سمجھا جاتا ہے۔ رافدا بن نذیر برہان کے ذکر میں سمیہ کی محبت اور دعا کو نمایاں کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ خاندانی محبت اور روحانی دعا کس طرح علمی رجحان کو نسل درنسل منتقل کرتی ہے۔ یہاں دعا کو تربیتی اور فکری میراث کے طور پر دکھایا گیا ہے، نہ کہ محض جذباتی اظہار کے طور پر۔ آخر میں مصنفہ نے علم کو شہرت یا فوقیت کا ذریعہ نہیں بلکہ امانت قرار دے کر اپنی دینی خدمات کے اصول واضح کیے ہیں۔ یہ حصہ اس بات کی توضیح ہے کہ ان کے نزدیک تدریس، اصلاحِ فکر اور صحیح عقیدے کی نشر و اشاعت ایک ذمہ داری ہے، نہ کہ ذاتی امتیاز۔ مجموعی طور پر یہ خودنوشت بیان اس تصور کی شرح ہے کہ عالمہ کی تشکیل نسب، اساتذہ کی صحبت، اخلاقی تربیت، عشقِ رسول ﷺ اور عملی خدمت کے مجموعے سے ہوتی ہے، اور آسیہ بنت خالد برہان نے اپنی ذات کو انہی عناصر کے آئینے میں بیان کیا ہے۔

سیدہ شاذیہ رحمانی

میں نے سمیہ بنت خالد برہان رحمہا اللہ کی صحبتِ علمی میں جو کچھ پایا، وہ محض درسی علم نہ تھا بلکہ علم کے ساتھ حلم، اور فہم کے ساتھ اخلاق کی تربیت تھی۔ ان کی مجلس میں یہ بات واضح ہوئی کہ علم کو اظہارِ برتری کے لیے نہیں بلکہ خدمتِ دین کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اسی لیے میں نے خاموش خدمت کو اپنا شعار بنایا۔ میری طبیعت میں سکون اور متانت کا جو رنگ نمایاں ہے، وہ اسی تربیت کا اثر ہے۔ میں نے جلد بازی اور ظاہری نمود سے اجتناب کیا اور تدریج و استقامت کے ساتھ دینی علوم کی تحصیل کو ترجیح دی، کیوں کہ علم میں پختگی وقت اور صبر کا تقاضا کرتی ہے۔ سمیہ رحمہا اللہ سے اختلاف کے آداب، نصیحت میں نرمی اور اصلاح میں حکمت کا جو سلیقہ سیکھا، وہ میری دعوتی روش کی بنیاد بنا۔ اسی لیے میں علم کو امانت سمجھ کر منتقل کرتی ہوں، نہ کہ برتری کا ذریعہ۔ خانگی ذمہ داریوں کے ساتھ دینی خدمت کو ہم آہنگ رکھنا بھی اسی توازن کی ایک صورت ہے جس کی طرف میرے اساتذہ نے رہنمائی کی۔ میں نے اپنی استطاعت کے مطابق خواتین میں دینی شعور بیدار کرنے کو اپنا فرض سمجھا، اور شہرت سے بے نیاز رہ کر اخلاص کے ساتھ خدمت کی کوشش کی۔

علویہ آمینہ بنت حارث شافعیہ

علویہ آمنہ بنتِ حارث شافعیہ کی شخصیت میں وقارِ مزاج، ضبطِ نفس اور رسوخِ فہم نمایاں تھا۔ وہ کم گو مگر وزنی گفتگو کرنے والی طالبہ تھیں، جو علم کو محض الفاظ و متون کی روایت نہیں بلکہ عملی امانت اور اخلاقی ذمہ داری سمجھتی تھیں۔ فقہِ شافعی سے ان کی وابستگی اصولی و تحقیقی نوعیت کی تھی، اسی لیے مسائل کو مصادر تک پہنچ کر سمجھنے کی خوگر تھیں۔ اختلافی امور میں عجلت سے گریز اور تثبّت و دلیل کو مقدم رکھنا ان کے علمی توازن کی دلیل ہے، اور یہی وصف انھیں سمیہ بنتِ خالد برہان رحمہا اللہ کے نزدیک محبوب بناتا تھا۔

سانیہ بنت محمد شافعیہ

سانیہ بنت محمد شافعیہ ایک خاموش، محنتی اور سنجیدہ طالبہ تھیں جنھوں نے علم کو محض شوق یا وقتی مشغلے کے طور پر نہیں بلکہ اپنی زندگی کا اہم مقصد بنایا۔ وہ سمیہ بنت خالد برہان رحمہا اللہ کے حلقۂ درس میں پوری توجہ اور فہم کے ساتھ شریک رہیں، مسائل کو صرف یاد نہیں کرتیں بلکہ ان کے دلائل اور عملی پہلوؤں کو بھی سمجھتی تھیں۔ ان کے نزدیک علم کا

حقیقی مقصد عمل اور اخلاق کے ساتھ انسان کے کردار میں نرمی، انصاف اور صداقت پیدا کرنا تھا۔ یہی خصوصیات انھیں ایک مثالی تلمیذہ بناتی ہیں، جو خاموشی کے ساتھ دین کی خدمت کرتی ہیں۔ سانیہ کی علمی محنت اور اخلاقی بصیرت یہ ظاہر کرتی ہیں کہ حقیقی خدمتِ دین اور علم کی ترقی ہمیشہ شور و شہرت کے بغیر بھی ممکن ہے، اور اصل پہچان وہ اثر ہے جو علم، عمل اور اخلاق سے دوسروں کی زندگیوں میں پیدا ہوتا ہے۔

سیدہ مسکان بنت حامد

یہاں ''نسبت، قربت اور تربیت'' کی تعبیر دراصل ایک فکری و تربیتی سلسلے کی طرف اشارہ ہے جو سیدہ مسکان بنتِ حامد کی شخصیت سازی میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ''نسبت'' سے مراد ان کا خاندانی تعلق اُن اہلِ علم و معرفت شخصیات سے ہے جن کی صحبت اور نسبت خود ایک تربیتی سرمایہ سمجھی جاتی ہے۔ ''قربت'' سے مراد محض نسبی رشتہ نہیں، بلکہ عملی زندگی میں مسلسل رفاقت، باہمی اعتماد اور فکری ہم آہنگی ہے، جس کے باعث ان پر سمیہ بنتِ خالد برہان اور رافد ابن نذیر برہان کے علمی و اخلاقی اثرات براہِ راست مرتب ہوئے۔ ''تربیت'' سے مراد وہ غیر رسمی مگر گہری علمی و اخلاقی رہنمائی ہے جو انھوں نے اکابر کی صحبت، مکالمہ، مطالعہ اور عملی مشاہدے کے ذریعے حاصل کی۔ یہ بھی واضح رہے کہ اگرچہ سیدہ مسکان بنتِ حامد کی باقاعدہ تحصیلِ علم کی مدت قلیل رہی، تاہم ان کی علمی تشکیل کو محض رسمی درس گاہ کی مدت سے نہیں پرکھنا چاہیے، کیونکہ انہوں نے مطالعۂ ذاتی، غور و فکر، اور اہلِ علم کی مجالس سے اپنی فکری پختگی کو برقرار رکھا۔ اس اعتبار سے ان کی زندگی علمِ رسمی اور علمِ غیر رسمی کے امتزاج کی ایک نمائندہ مثال قرار دی جاسکتی ہے۔

ساجدہ فاطمہ بنت ساجد

مصنّفہ نے جہاں ساجدہ فاطمہ بنتِ ساجد کے مزاج میں خاموش وقار، اعتدالِ فکر اور اختلاف کو شور نہ بنانے کی صفت کو نمایاں کیا ہے، وہاں یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ یہی وصف بعض مواقع پر علمی اظہار میں احتیاطِ مفرط کا سبب بن سکتا ہے۔ مصنّفہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اساتذہ کی صحبت نے ان کے لہجے اور اخلاق کو سنوارا، مگر اس کے ساتھ فکری استقلال اور صراحتِ موقف کا پہلو کم نمایاں رہتا ہے۔ مصنّفہ نے ''خاموشی کو ترجیح دینا'' اور ''اختلاف کو تہذیب کے ساتھ بیان کرنا'' کو بطورِ کمال ذکر کیا ہے، لیکن علمی روایت میں بعض مواقع پر صراحت اور جراءتِ اظہار بھی مطلوب ہوتی ہے، جو یہاں ثانوی حیثیت اختیار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح علم کو اخلاق کے تابع رکھنے کے اصول سے یہ تاثر بھی ابھرتا ہے کہ تحقیق کی صراحت بعض مواقع پر اخلاقی احتیاط کے تحت مؤخر کردی جاتی ہے۔

عفیفہ بنت آدم مالکیہ

مصنّفہ نے یہاں عفیفہ بنتِ آدم کی علمی زندگی کو خاموش محنت، سنجیدہ سوچ اور متوازن مزاج کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انھیں ان طالباتِ علم میں شمار کیا گیا ہے جن کی پہچان شہرت یا بلند آواز سے نہیں، بلکہ مستقل مطالعہ اور پختہ فکر سے بنتی ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم سیدہ اسما بنتِ عبداللہ رہو رحمہا اللہ کے زیرِ نگرانی ہوئی، پھر انھوں نے کچھ مدت سیدہ سمیہ بنتِ خالد برہان رحمہا اللہ سے استفادہ کیا، بعد میں سجی بنتِ عثمان سے رہنمائی لی، اور اس وقت سیدہ آسیہ بنتِ خالد برہان سے شرفِ تلمذ رکھتی ہیں۔ مصنّفہ نے عفیفہ کے ادب، احتیاط اور غور و فکر کی عادت کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ وہ سوال کرنے اور بات سمجھنے میں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتی تھیں، اور اپنی اساتذہ کے

سامنے انتہائی احترام اور عاجزی کا رویہ رکھتی تھیں۔ اساتذہ کے وصال کے بعد بھی انھوں نے مطالعہ اور تربیت کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے علم کو مضبوط کیا۔ دینی خدمات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے محدود مگر مؤثر کام کیا، خاص طور پر خواتین کی تربیت، اخلاقی اصلاح اور بنیادی دینی شعور پھیلانے پر توجہ دی۔ مجموعی طور پر عفیفہ بنتِ آدم کو وقار، اخلاص اور خاموش محنت کی مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ سچا علم صبر، ادب اور لگن سے حاصل ہوتا ہے۔

فزیہ بنت نذیر رحمانی

مصنّفہ نے فزیہ بنتِ نذیر کی علمی زندگی کو وقار، ذمہ داری اور اعتدال کے اصولوں پر قائم دکھایا ہے، اور ان کی تربیت کو سیدہ سمیہ بنتِ خالد برہان رحمہا اللہ اور سیدہ آسیہ بنتِ خالد برہان کی صحبت سے مربوط کیا ہے۔ ان کے کم گو مزاج، تدبر کے ساتھ سمجھنے کی صلاحیت اور علمی بات کو محفوظ رکھنے کی عادت کو ان کی بنیادی علمی خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے۔ اہم یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ گھریلو ذمہ داریوں، خصوصاً اولاد کی پرورش، کے باعث ان کی باقاعدہ علمی حاضری ممکن نہ رہی، تاہم انھوں نے مطالعہ اور استفادہ کا سلسلہ اپنی استطاعت کے مطابق جاری رکھا۔ یہ پہلو ان کے علمی شغف کے ساتھ عملی زندگی کی ترجیحات اور توازن کو ظاہر کرتا ہے۔ مصنّفہ نے ان کے خانوادے کی روحانی و نسبی نسبت کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، جہاں ''رحمانی'' اور ''برہانی'' القاب کے تاریخی پس منظر کا ذکر آتا ہے، اور اس نسبت کے اثر سے ان کے مزاج میں انکسار اور احساسِ ذمہ داری کو نمایاں کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ ان کی گفتگو میں نرمی، رویّے میں شائستگی، اور اختلاف میں احتیاط کو دینی و اخلاقی تربیت کے مظاہر کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اور علم کو عملی زندگی میں برتنے کے طریقے کو ان کی علمی شناخت کا بنیادی عنصر قرار دیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر فزیہ بنتِ نذیر کو ایک سنجیدہ، متوازن اور باوقار تلمیذہ کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے، جن کی علمی زندگی سادگی، ذمہ داری اور اعتدال کے گرد گھومتی ہے۔

شہیدہ سیدہ الفیہ بنت مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہا

مصنّفہ نے سیدہ الفیہ بنتِ مصطفیٰ قادریہ رحمہا اللہ کو اپنے عہد کی ایک جامع علمی و روحانی شخصیت کے طور پر پیش کیا ہے، جن کی ذات میں علم، وقار اور اخلاص کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ ان کے نسبِ حسینی، مسلکی وابستگی اہلِ سنت سے، فقہی تعلق حنبلی مذہب سے اور تصوف میں سلسلۂ قادریہ سے وابستگی کو ان کی فکری شناخت کے بنیادی عناصر کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اہم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کی ابتدائی تربیت ایک ایسے علمی ماحول میں ہوئی جہاں علم اور عبادت کو باہم مربوط سمجھا جاتا تھا، اور اسما بنت عبداللہ رہو رحمہا اللہ کے حلقۂ درس سے انھیں فکری پختگی اور تدریسی بصیرت حاصل ہوئی۔ مصنّفہ نے ان کے اسلوبِ تعلیم میں حلم، اخلاق اور تہذیبِ اختلاف کو نمایاں کیا ہے، اور یہ دکھایا ہے کہ ان کے نزدیک اختلاف فہم کی راہ تھا، نہ کہ نزاع کا ذریعہ۔ عشقِ رسول ﷺ کو ان کی علمی زندگی کا مرکز قرار دیا گیا ہے، اور سمیہ بنت خالد برہان کے طرزِ علم و ادب کو بطورِ نمونہ پیش کرنے کا قول نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رضی اللہ عنہ سے نسبت کو ایمان کی حفاظت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس نسبت کو فکری و اعتقادی اساس کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ مصنّفہ نے ان کے تربیتی کردار پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ وہ شاگردات کو صرف علمی مسائل نہیں، بلکہ وقارِ سکوت، ذمہ دارانہ گفتگو اور اختلاف میں شرافت سکھاتی تھیں، اور سمیہ بنت خالد برہان سے

نسبت رکھنے والوں کا خاص احترام کرتیں۔ سب سے اہم باب ان کی شہادت کا ہے، جہاں انھیں دینِ حق کی تبلیغ اور حق گوئی کے سبب شہادت کے مرتبے پر فائز دکھایا گیا ہے، اور ۲۷ صفر کو آسٹریلیا میں سزائے موت، اس سے قبل اذیت، عبادت سے روکنے اور پردے کی پامالی جیسے واقعات ذکر کیے گیے ہیں۔ مصنّفہ نے ان کی شہادت کو صبر، خاموش استقامت اور رضا بالقضاء کی اعلیٰ مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ اسی طرح آسیہ بنت خالد برہان پر ان کی شہادت کے اثرات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ سمیہ اور الفیہ کے وصال نے آسیہ کی فکری پختگی اور آئندہ علمی ذمہ داریوں کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

آسیہ (مصنفہ) کی فکری تنہائی

یہاں جس فکری تنہائی کا ذکر ہے، اس سے مراد محض جذباتی یا معاشرتی تنہائی نہیں، بلکہ وہ علمی و روحانی مرحلہ ہے جب استاد اور مربی کے فقدان کے بعد طالبِ علم کو خود مرجعِ فکر بننے کی ذمہ داری اٹھانا پڑتی ہے۔ سمیہ بنتِ خالد برہان اور سیدہ الفیہ بنتِ مصطفیٰ قادریہ کے وصال کے بعد یہ کیفیت اس طور ظاہر ہوئی کہ سابقہ تربیت گاہیں ختم ہوگئیں اور رہنمائی کا دائرہ خود ذات تک محدود ہو گیا۔ سمیہ کے بعد الفیہ وہ واحد مرجع تھیں جن کے سامنے سوال، تردد اور باطنی اضطراب بلا تکلف پیش کیا جا سکتا تھا۔ ان کے فقدان کے ساتھ یہ سہارا بھی منقطع ہوا، جس کے نتیجے میں علمی نسبت کی جگہ علمی خود اعتمادی نے لینا شروع کی۔ یہی وہ مرحلہ تھا جہاں استفادہ کرنے والا تدریس کرنے والے کے منصب میں داخل ہوا۔ دو چراغوں کے بجھنے کی تمثیل دراصل تربیتی سند کے ختم ہونے کی علامت ہے؛ مگر اس اندھیرے نے فکر کو معطل نہیں کیا بلکہ داخلی بصیرت کو بیدار کیا۔ ضبط، سکوت اور وقار اس نئے مرحلے کی نمایاں علامتیں بنیں، جن سے علمی مزاج میں ٹھہراؤ اور فیصلہ سازی میں استقلال پیدا ہوا۔ یہ فکری تنہائی درحقیقت انتقالِ علم کے شعور کی ابتدا تھی؛ جہاں حاصل شدہ علم کو ذاتی سرمایہ نہیں بلکہ امانت سمجھ کر آگے منتقل کرنے کا احساس غالب آیا۔ چنانچہ یہی کیفیت آگے چل کر اسلوبِ تدریس، طرزِ بیان اور علمی فیصلوں میں نمایاں سنجیدگی اور اعتدال کی بنیاد بنی۔

رافد ابن نذیر برہان شافعی

یہاں رافد کے اسم، نسب، فقہی وابستگی اور خاندانی نسبت کو تذکرہ نویسی کے معروف اسلوب پر بیان کیا گیا ہے، تاکہ قاری کے سامنے اس کی شخصی اور نسبی حیثیت واضح ہو جائے۔ سید برہان کی طرف نسبت سے نسبی تسلسل اور خانوادگی روایت کا اظہار مقصود ہے، جو علمِ انساب میں شناخت کا بنیادی ذریعہ شمار ہوتا ہے۔ سمیہ رحمھا اللہ کی جانب سے رافد کے اموی نسب کے ذکر سے ممانعت ایک قابلِ توجہ نکتہ ہے، جس کی علت بیان نہیں کی گئی۔ یہ سکوت یا تو خانوادگی مصلحت، یا تفاخرِ نسب سے اجتناب، یا ادبی احتیاط پر محمول کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ تذکرہ نگاری کی روایت میں بعض اوقات بعض انساب کے ذکر سے عمداً احتراز کیا جاتا ہے۔ نیز، دونوں جانب سے سیادت کے شرف کے فقدان کے مقابلے میں سمیہ رحمھا اللہ کے تقویٰ، علم اور نسبی شرف کا ذکر، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ نسب ایک معزز وصف ہے، لیکن حقیقی فضیلت علم اور تقویٰ میں مضمر ہے، اور یہی اسلامی سوانح نگاری کا بنیادی منہج ہے۔

نقوشِ ولادت

مصنفہ نے رافد اور سمیہ رحمھا اللہ پ کی پیدائش کے قریب ہونے کو صرف ایک اتفاق نہیں بلکہ تقدیر کی خاص ترتیب کے طور پر بیان کیا

ہے۔ ایک دن کا فرق یہاں صرف تاریخ کا فرق نہیں، بلکہ اس بات کی علامت ہے کہ دونوں کی زندگیاں قریب ہونے کے باوجود الگ الگ انداز میں لکھی گئی تھیں۔ نسبی رشتہ (چچا زاد ہونا) کو آگے چل کر فکری اور روحانی تعلق میں بدلتے دکھایا گیا ہے، جو سوانحی ادب کا ایک خوبصورت اسلوب ہے۔ دونوں خاندانوں میں علم کی روایت کا موازنہ بھی کیا گیا ہے تا کہ یہ واضح ہو کہ رافد نے علم کی طرف رجوع کر کے اپنے خاندان میں ایک بجھی ہوئی روایت کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی، جب کہ سمیہ رحمہا اللہ کے خاندان میں علم نسل در نسل ایک ذمہ داری کی طرح منتقل ہوتا رہا۔ سمیہ رحمہا اللہ کا قول اس کی دل کی گہرائی اور روحانی وابستگی کو ظاہر کرتا ہے، جس میں وہ رافد کو محض ایک نام نہیں بلکہ اپنی زندگی کا حصہ قرار دیتی ہے، اور یہی بات بعد میں اس کے عزم اور تقدیر کے احساس کی گواہی بن جاتی ہے۔

شجرۂ برہانیہ حسنیہ

یہ شجرۂ نسب حسنی سادات کے مشہور سلسلۂ قادریہ و جیلانیہ سے متصل ہے، جس کی بنیاد سلطان الاولیاء شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہوئی امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، اور وہاں سے امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ذریعے سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک متصل ہوتی ہے۔ اس شجرہ میں متعدد صوفیا، علما اور مشائخ کے اسما شامل ہیں، جس سے اس خاندان میں روحانی و علمی وراثت کے تسلسل کا پتہ چلتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ کو برہانیہ حسنیہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔